

پاسبانِ حرم

زنبیو و

مؤلفه: عطیہ بتوں

نظرات: ابو مصطفیٰ

ناشر: ادارہ مبلغین شہداء

نام کتاب: پاسان حرم نسیبیون

مؤلف: عطیہ بول

نظرات: ابو مصطفی

کپوزنگ:

سال طبع: ربیع الاول ۱۴۳۳ ہجری، نومبر ۲۰۲۱ء

تعداد: ۱۰۰۰

قیمت:

ناشر: ادارہ مبلغین شہداء

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

انتساب

ہمارا درود وسلام ہو ملت کے شہداء کے ٹکڑوں پر
جن کے گنام کتبے سیدہ زہرا علیہ السلام اللہ علیہا کی فرزندی کا استعارہ ہیں
سلام بر مدافعان حرم

فہرست

پیش لفظ

فصل اول (فلسفہ شہادت)

شبِ تاریکِ رشکِ روز ہو گئی عزم پیغم سے
زندگی زیباست اما شہادت زیباترین است

اے شہید و تم کہاں ہو؟

آگاہانہ زندگی ہی شہادت ہے

اے شہید و تم وفا کی کائنات ہو

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن

اٹھو تمہیں شہید و کالہو آواز دیتا ہے

شہداء کی مناجات

آیاموت شہد سے زیادہ شیریں ہے؟

مؤمن از عشق است و عشق از مؤمن است

شہادت اور ہمسفر

فصل دوم (مدافعینِ حرم)

مدافعینِ حرم عاشقانِ پاک طینت را

مدافعینِ حرم کون تھے؟

اگر نہ نبیوں نہ ہوتے؟

داعش کا حل صرف نہ نبیوں ہے۔

جیتے رہو شیرپ مر نے والو

جو وعدہ کیا تھا نجاح کے
اگر مدافعینِ حرم نہ ہوتے؟
ہم شاپ پر گئے لیکن خیریت سے ہیں
اس سے پہلے کہ کربلا برپا ہو جائے
مدافعینِ حرم اور mi6 کے چلے
آمکتب حسینی کا ساتھ دو
مدافعینِ حرم اور اسلامی مقاومت
عالیٰ سُنْهَتِ قدس اور مدافعینِ حرم کا کردار
وفاقِ جنابِ زینب اور مدافعینِ حرم کا کردار
فلسطین عصرِ حاضر کی کربلا اور مدافعینِ حرم
اگر ہم کربلا میں ہوتے؟
ظلہورِ امام اور شہداءِ اسلام
ام الشهداءِ جنابِ زہراء اور مدافعینِ حرم

فصل سوم (کالم)

آخر نہ نبیوں ہی کیوں؟
زینبیوں محا فاظینِ پاکستان
زینبیوں مدافعین یادِ ہشتنگر
ستار علوی سے زینبیوں تک غیرتِ مند پاکستان کا سفر
زینبیوں ہی سچے پاکستانی ہیں
بل و ذھرا میں پاکستانیوں کا کردار
باعثِ فخرِ ہشتنگر
عصرِ حاضر میں سبقت لینے والے کون؟

فصل چهارم

- پاکستان کی بایمان قوم از کلام رہبر
شہید زايد علی^۱
شہید وجاہت علی^۲
شہید محمد جنان^۳
شہید علی رضا جیلان^۴
شہید علی جعفر لشکر^۵
شہید مقبول حسین^۶
شہید تہذیب الحسن^۷
شہید واجد علی^۸
شہید قبر عباس^۹
شہیدہ زینب کمانی^{۱۰}
شہید اعزاز احسن^{۱۱}

فصل پنجم

- شاعری^{۱۲}
تبصرے^{۱۳}
تصاویر^{۱۴}

پیش لفظ

عشق الٰی کا جذبہ انسان میں پوشیدہ قوتوں اور صلاحیتوں کو بیدار کر کے انہیں کام میں لانے کی صلاحیت بیدار کرتا ہے۔ یہ صلاحیت زندگی کی تاریکیوں میں منئے نئے امکانات کے چراغ روشن کرتی اور زندگی کے اندر ہیروں کو روشن کرنے کا سبب بنتی ہے۔ یہ کتاب عشق الٰی اور عشق شہداء کی عکاس ہے۔ عشاق الشداء کے قلم سے مدفینِ حرم کے لیے لکھی گئی تحریر شہداء ولایت کو خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک ادنی کاوش ہے۔ یوں کہوں کہ شہداء زنبیوں کی بہت ساری تحریریں خود شہداء نے مجھ حقیر سے لکھوائی تو بے جانہ ہو گا۔ یہ ان دونوں کی بات ہے جب ہم سب اہل قلم مدفینِ حرم پر شب و روز تحریر لکھ رہے تھے۔ ان دونوں سب شہداء زنبیوں کی مظلومیت کا قریب سے مشاہدہ کر رہے تھے۔ ان ایام میں تحریر لکھنے کے ساتھ ساتھ میں مسلسل ثانی زہراء جناب زینب کبری سلام اللہ علیہا سے ہر لحظہ توسل کر رہی تھی اور بی بی کے حرم کو دیکھنے کی حرست عرون پر تھی۔ بعض مقامات پر ایسے لگا کہ شاید ہم حرست سے یا لیتنا معکم کی تکرار کرتے پچھے رہ گئے اور شہداء ہم سب پر سبقت لے گئے۔ یہ ایام میرے لیے نہایت کھنچن تھے شہادت کی تڑپ اور گریہ سب عرون پر تھا۔ ہر لمحہ یہ احساس گھیرے رکھتا کہ شاید ہم پیچھے رہ گئے اور سب احباب شہداء سے جا ملے۔ چند عرصہ بعد ایک عزیز بہستی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ عطیہ آپ کو خواب میں میں نے بی بی زینب سلام اللہ علیہا کے حرم میں دیکھا تھا۔ مجھے یقین نہ آیا پورا وجود کانپ اٹھا، سیدہ سلام اللہ علیہا کی اس عنایت پر جیران تھی۔ یوں لگا کہ حقیر کی کلناعباسک یا زینب کے موضوع پر لکھی تحریر سیدہ نے قبول کر لیں۔ اس کتاب میں درج تحریر شبِ تاریک رشک روز ہو گی عزم پیغم سے میری حقیقی داستان ہے۔

مختصر وقت میں یہ ایک ادنیٰ سی کاوش ہے شہداءٰ ولایت کو خراج عقیدت پیش کرنے کی۔ اس موقع پر میں اپنے بابا اور اپنے استاد محترم کی تہہ دل سے منکور ہوں جن کی معاونت کے بغیر یہ کام ناممکن تھا۔ یہ کتاب ایک خواب تھا جسے تعبیر کرنے میں میرے اتنا نہ بہت ساتھ دیا۔ ہر قدم پر آپ کی رہنمائی کے ذریعے یہ خواب پورا ہوا۔ خداوند متعال کی شکر گزاری کے ساتھ ان احباب کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے ہر قدم پر حوصلہ افزائی کی بالخصوص عظمیٰ رفت، قرآن العین بلوچ، فروا النعم، دل اور علی، شانِ علی اور بڑے بھیا شجر علی۔ میرے بابا کثرا کہا کرتے تھے کہ ایک وقت آئے گا کہ میری بیٹی کا اپنا ایک نام ہو گا۔ آج جب کوئی پوچھتا ہے کہ آپ وہ عطیہ ہیں جنہوں نے زندگیوں پر لکھا تو شہداء کی عنایات دیکھ کر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ ہمارا کیا مقام اور کیا حیثیت؟ یہ ان عاشقانِ خدا کی داستانیں ہیں جنہوں نے سیدہؒ کے حرم کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ شب کی تاریکیوں میں مادر جان جناب زہراء سلام اللہ علیہ سے اپنے لیے گنایی لکھواتے رہے۔ کچھ لوگ فقط اس دنیا کے لئے نہیں بلکہ اس دنیا کے ساتھ آخرت کے لئے بھی ہوتے ہیں۔ عشق کیا؟ عشق! اک درد ہے جو عاشق کو سکون دیتا ہے۔ عاشق معموق سے ملنے کو بے تاب ہوتا ہے اور ہر وہ کام کرتا ہے جس سے معموق کے قرب میں پہنچے، تب اپنی جان کی پروانہیں رہتی بلکہ ہر طرف سے معموق کی آواز سنائی دے رہی ہوتی ہے، تب طلب ہوتی ہے تو صرف معموق کی ہوتی ہے۔ جسم بک جائے، جل جائے، ختم ہو جائے، ہاں! مگر قرب الٰٰ حاصل ہو جائے۔ یہ کتاب انہی عاشقانِ خدا اور ولایت پر لکھی تحریر کا مجموعہ ہے۔

راہ حق کے شہداء کو سلام

مدافعینِ حرم کو سلام

ان کی خوبصورت مسکراہٹ کو سلام

عطیہ ہوں

۹ ربیع الاول ۱۴۳۳ھجری

فصل اول

فلسفه شهادت

(۱) شبِ تاریکِ رشکِ روزِ ہوگی عزمِ پیام سے

شب کے نصف پھر وہ اچانک خواب سے بیدار ہو جایا کرتی تھی۔ دنیا کے سامنے ظاہر خوش نظر آنے والے لڑکی اندر ہی اندر کیسے کیسے طوفانِ اٹھائے ہوئے تھی کوئی نہ جانتا تھا۔ اکثر چند جملے اُس کے ذہن میں بازگشت کرتے رہتے اور وہ شب بھر سونہ پاتی ایسا اضطراب تھا جسے وہ آج تک کوئی نام نہ دے سکی۔ وہ جب کبھی تھوڑی دیر زیرِ لب مسکراتی یا چند دقیقے زندگی کو محسوس کرنے کی کوشش کرتی تو ایک عظیم ہستی کے جملے اُس کے ذہن میں ٹکرلاتے ”ہمیشہ اس فکر میں رہو کہ خدا نے تم سے کوئی بڑا کام لینا ہے اگر یہ سوچ تمہارے قلب اور ذہن میں رہے گی تو تھکاؤٹ، کالی اور نکماپن تمہارے قریب نہ بھٹکے گا نیز اس بات کا احساس اپنے اندر قوی کرلو کہ تمہیں کوئی دلکھ رہا ہے اور تمہارے ایک ایک لمحے کا مشاہدہ کر رہا ہے۔“

وہ یہ بات اپنی چھتے سے جانتی تھی کہ بغیر بدف کے زندگی گزارنا موت ہے بس یہ خیال آتے ہی وہ اپنی حقیقتی مادرِ جانِ جناب سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کا عطاء کردہ انمول تحفہ یعنی سیاہ چادرِ اٹھاتی اور پھر سے خود کو کسی اللہ کام میں مصروف کر لیتی۔ وہ ہمیشہ خود کو یہ باور کروانے کی کوشش کرتی کہ رب نے یقیناً اُس سے بڑا کام لینا ہے اسی لیے بچپن میں وہ ایک دفعہ موت کے کنوں سے واپس پلٹ آئی تھی اور جوانی میں بھی ایک بار پھر موت کو بہت قریب سے دیکھا تھا یقیناً یہ رب کی طرف سے اشارہ تھا کہ وہ عام موت نہیں مر سکتی۔ ہر انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی خوف ہر لمحے مسلط رہتا ہے اُسے بس عام موت مرنے سے خوف آتا تھا۔ شہید قائد کا یہ جملہ کہ ”شہادت ہمارا اور شہ ہے جو ہماری

ماوں نے ہمیں دودھ میں پلایا ہے، "ہر وقت اس کے ذہن سے ٹکڑاتا اور وہ صدق دل سے رب سے مناجات کرتی کہ رب اُسے جلد قبول کرے اور اُس کے نفس کی بہترین قیمت لگائے۔

عشقان شہداء کی وادی میں قدم رکھنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ یہاں معاملہ کتنا سخت ہے۔ حق الناس کے ساتھ ساتھ حق النفس کی طرف بھی ہر لمحہ متوجہ رہنے کی ضرورت ہے۔ ایک شہید کے حوالے سے ملتا ہے کہ وہ اپنی ڈائری کے ہر صفحے پر لکھا کر تین تھیں کہ خدا دیکھ رہا ہے سننے میں یہ جملہ کتنا مختصر ہے مگر انسان ہر لمحہ اس جملے کو ذہن میں رکھے تو بہت سے امور کی انجام دہی سے خود کو روک سکتا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اس وادیِ عشق میں ایسے ایسے نیک طینت اور روشن چہروں والے جوان موجود ہیں جونہ صرف خدا کے مقربین میں سے ہیں بلکہ خدا ان کا اس قدر عاشق ہے کہ انہیں ان کی شہادت کی تاریخ تک سے آگاہ کر رکھا ہے۔ وہ اکثر گھنٹوں سوچتی کہ بہشت زهراء کا منظر کتنا پر کیف ہوتا ہو گا جب شہداء، سید الشهداء علیہ السلام کے ہمراہ مؤمنین کی حاجت روائی کرتے ہوں گے اور اس سے بڑھ کر فرزندِ زهراءؑ کی قربتِ نصیب ہونا کتنا بڑا اعزاز ہے۔ شہادت کے مقام و مرتبے کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ مقام شہادت اللہ کی بارگاہ میں اتنا عظیم اور بلند ہے کہ بر ZX میں داخل ہونے سے قبل اس مقام کو درک نہیں کیا جاسکتا۔ شہید مرتضی آؤینی کہا کرتے تھے کہ نمازِ عشق دور رکعت ہے پہلی رکعت دنیا میں اور دوسرا رکعت جنت میں لیکن اس کے لیے خون سے وضو کرنا پڑتا ہے وہ کئی سالوں سے منتظر ہے کہ اپنے لہو سے نمازِ عشق ادا کرے اور اپنے حقیقی محبوب سے جانے مگر یہ راہ اس قدر آسال نہیں۔ شہداء جہاد اصغر سے قبل جہاد اکبر میں کامیاب ہوئے۔ جہاد اکبر یعنی اپنے نفس سے جہاد کرنا۔ ہم جہاد اصغر کے لیے آمادہ ہیں مگر کوئی بھی جہاد بالنفس کی طرف مائل نہیں۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیا ہے کہ جب تک اپنے دل کو دنیا کی تمام واپستگیوں سے خالی نہیں کریں گے اُس وقت تک شہادت جیسی سعادت کو حاصل نہیں کر سکتے۔ عشقِ حقیقی کی راہ پر گامزن یہ لڑکی نہیں معلوم کب لقاءِ الہی کا جام پیے مگر اس سے

قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ خدا کے لیے جینا خدا کے لیے مرنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ ہم سب خدا کے کے لیے مرنے پر تیار ہیں مگر کیا کوئی خدا کے لیے جینے پر بھی آمادہ ہے؟ زندگی کا سفر کامن ہے اگر آگ پر رقص کرنے کا فن سیکھ لو جسم چاہے جلے، روح پھلے پھولے، جینا چاہو تو مرنے کا فن سیکھ لو

(۲) زندگی زیبا است اما شہادت زیباترین است

زندگی ایک فانی ہے اور اس کا سفر پانی کے سینے پر تیرنے والے بلبلے کی طرح ہے جسے ہر حال میں فنا ہونا ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ہر جسم نے موت کا مزہ چکھنا ہے تو کیا بہتر نہیں کہ انسان سیاہ موت پر سرخ موت کو ترجیح دے۔ فلسفہ شہادت ہے کیا اور انسان اپنی زندگی میں شہادت کی آرزو کیوں کرے؟ آسکیں کلام اللہ اور فرمائیں محمد ﷺ وآل محمد علیہم السلام کے ذریعے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ شہادت خدا کا ایک منفرد انعام ہے، جو خدا کے محبوب لوگوں کو عطا ہوتا ہے۔ جن کے بارے میں خدا خود فرماتا ہے کہ "خدا مَوْنُوكَاجِرَضَائِعٍ نَّهِيْنَ كَرَتَا" (سورۃ آل عمران ۷۰)۔ قرآن مجید کی روشنی میں جب واضح ہوتا ہے کہ شہادت خدا کا انعام ہے اور ہمیشہ انعام اسے دیا جاتا ہے، جس کی کارکردگی بہتر ہو اور انعام دینے والا اُس سے راضی ہو۔

شاید یہی وجہ ہے کہ امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے بوقت شبِ ضربت بلند آواز میں یقین سے فرمایا: فرت برب کعبہ (رب کعبہ کی قسم میں علیؑ کا میاب ہو گیا) حالانکہ آپؐ نے بڑے بڑے معركے سر کئے۔ جگہ خندق میں عمر بن عبد وہ پر آپؐ کی ضربتِ تقلىں کی عبادت سے افضل ٹھہری۔ آپؐ نے حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دی اور قرآن کی آیت نازل ہوئی۔ آپؐ کے گھر انہ پر درود نازل ہوا، شبِ بھرتو سوں علیؑ پر سو کر تمام رضا عیں خرید لیں، مگر کہیں بھی اپنی کامیابی

کانعروہ بلند نہیں کیا، مگر جیسے ہی شہادت کا انعام حاصل ہوا فرست برب کعبہ کانعروہ بے اختیار بوس سے چھلک پڑا۔ گویا صریح رسول، شوہر بتول نجاتے کب سے لقاء الٰہی کا جام پینے کے مشتق تھے۔

شہید کا رتبہ

حدیث نبوی ہے کہ شہید کی سات صفات ہیں۔

۱۔ جب اُس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے، خدا اُس کے بد لے اُس کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔

۲۔ شہید کا سر زمین پر نہیں لگتا بلکہ وہ حوروں کی گود میں گرتا ہے۔

۳۔ اُسے فوراً جنت کی پوشک پہنادی جاتی ہے۔

۴۔ اسے جنت میں مخصوص رہائش گاہ دکھائی جاتی ہے۔

۵۔ اُس کی نظروں کے سامنے جنت کے تمام پھول لائے جاتے ہیں، جنہیں وہ پسند کرتا ہے، اُس کی رہائش گاہ پر لگادیے جاتے ہیں۔

۶۔ اُس کی روح کو جنت میں گھونٹ پھرنے کی عام اجازت ہوتی ہے۔

۷۔ شہید کا خدا سے برادر است تعلق ہوتا ہے۔

فرمانِ معصوم ہے کہ شہید پر جب تلوار، تیر یا خنجر چلتا تو اُس کے گرد خدا کے نور کی چادر پھیل جاتی ہے اور اُس نور میں اس قدر مخمور ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے جسم کے کئٹنے کا احساس تک نہیں ہوتا۔

شہید کی خدا سے قربت

فرمانِ معصوم ہے "شہید کی روح کو فرشتے جنت کے پہلے درجے میں لے جاتے ہیں تو اسے قرار نہیں آتا۔ پھر ملائکہ اسے دوسرے درجے میں لے جاتے ہیں، وہاں بھی اُس کی روح بے قرار رہتی ہے۔ یہاں تک کہ جنت کے آخری درجہ میں بھی روح کو تسلیم نہیں پہنچتی۔ آخر کار فرشتے

اسے جنت کے مدارج کے خاتمے کے بعد اس سے آگے لقاء اللہ میں لے جاتے ہیں، جہاں اُس کی بے قراری کو قرار آ جاتا ہے۔

شہید کا اعزاز

شہید کو یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے کہ قبر میں اُس کی آزمائش نہیں ہوتی، یعنی اُسے قبر و برزخ کے سوال و جواب کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ حدیث نبوی ہے کہ شہید کے سر پر تلور کی چمک سے اس کی آزمائش ہو چکی ہوتی ہے اور وہ پہلے ہی سوالوں کا جواب دے چکا ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید علمی طور پر اپنے ایمان کی صداقت ثابت کر چکا ہوتا ہے، اس لیے عالم برزخ میں اس سے مزید سوال پوچھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

شہید کی شفاعت

بروز حشر تین قسم کے لوگ شفاعت کا حق رکھتے ہیں۔ انبیاء کرام، علماء اور شہداء۔ شہداء کو شفاعت کا حق اس لیے حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی مظلوموں، محرومتوں اور بے کسوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے قربان کی اور ہمیشہ ان کی مدد کے لیے کمربتر رہے، اس لیے شہداء بروز حشر شفاعت کا حق رکھتے ہیں۔ حدیث پیغمبرِ اسلام ﷺ ہے: من مات علی حب آل محمد مات شہیداً ”جو کوئی محبت آل محمد میں مر اشہید مر“

وہ مکتب جو شہادت کا مکتب تھا، آج اُسے ہم نے چند رسومات تک محدود کر دیا ہے۔ ہم میں سے اکثر شہادت اور عام موت کے درمیان فرق کو محسوس نہیں کر پاتے۔ ذاتی مشاہدے میں ایسی بہت ساری شخصیات دیکھنے کو ملی ہیں کہ جن کے سامنے شہادت کا ذکر کیا گیا تو طرح طرح کی باتیں سننے کو ملیں۔ چونکہ ہمارے معاشرے بالخصوص پاکستان میں شہید کی منزلت کا دراکم ہے۔ تاریخ گواہ

ہے کہ ہم شہادت پرور قوم ہیں مگر افسوس ہم اپنے مقام و منزلت سے آگاہ نہیں۔ اس دھرتی نے ایسے ایسے شہید پیدا کیے ہیں کہ اگر ان کے زندگی نامے منظر عام پر لائے جائیں تو ملک و قوم کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے والا ہر جو ان اپنے فرائض کو حسن طریقے سے انجام دے۔ شہادت ہماری میراث ہے جو نسل در نسل ہم تک منتقل ہوئی ہے۔

اس موصیاً میں ہمارے بیوی پر رمضان مبارک میں پڑھی جانے والی دعاوں کا یہ ورد وال رہنا

چاہیے: اللهم برحمتك في الصالحين فادخلنا و في عليين فارفعنا و قتلا في سبيلك مع ولیک فوفقا لنا ”اے پروگار ہمیں توفیق دے کہ ہم تیری راہ میں اور تیرے ولیٰ کے ہمراہ قتل ہو جائیں اور شہادت کی سعادت سے ہمکنار ہوں“۔ جب موت کا تقرر اور زندگی کا فنا ہونا لاریب ہے تو پھر انسان کو چاہیے کہ وہ سورۃ جمعدہ کی آیت ۶ کا مصدقہ بنے کہ ”موت کی تمنا کرو، تاکہ تم اپنے دعویٰ میں سچھ ثابت ہو سکو“ البتہ کوشش ہونی چاہیے کہ عارضی زندگی سعادت کے طور پر بسر ہو اور ابدی سفر شہادت کے دوش پر طے ہو، کیونکہ شہادت خدا کا بہت بڑا انعام ہے۔

(۳) اے شہید و! تم کہاں ہو؟

چشمِ تصور میں وادی عشق الشداء سے گزر ہوا۔ یوں گماں ہوا کہ بہشت کے کسی جزیرے پر قدم رکھا ہو۔ جیسے جیسے شب کا سناٹا ہر سو پھیلتا جا رہا تھا، کہیں سے کسی کی سکسیوں کی صد اپنڈ ہو رہی تھی، کہیں سے کوئی زیارت عاشورہ سرگوشیاں میں تلاوت کرنے میں مصروف تھا اور کوئی کسی گوشہ میں رب سے مناجات کر رہا تھا۔ گویا ہر شہید شب کے اندر ہرے میں سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا سے توسل کرنے میں مشغول تھا۔ یہ عاشقان خدا کی صفات میں سے ایک صفت ہے کہ جب آدھی دنیازم بستر پر میٹھی نیند سورہ ہوتی ہے، وہی کچھ بند گان خدا شب کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خدا سے راز و نیاز کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ کوئی شہید کسی گوشے میں شب کی تاریکی میں سیدہ زہراء

سلام اللہ علیہما سے اپنی شہادت کی سند پر مہر لگوارا تھا، کوئی جناب سیدہ سلام اللہ علیہما سے اپنے لیے گمنامی کی سند وصول کر رہا تھا اور کوئی سید الشداء علیہ السلام کی قربت کا خواہاں تھا۔

عجیب بات ہے، جہاں دنیا پرست لوگ مقام شہرت اور نیک نای کے لیے کیا کیا جتن کرتے نہیں تھکتے، وہیں عاشقان خدا اپنے لیے گمنامی کی مہر ثبت کروار ہے ہیں۔ ابھی محاجت تھی کہ کسی آواز نے اپنی طرف متوج کیا، یوں لگا جیسے شہید عباس عصیمی کی والدہ اپنے لخت جگر کے قبر پر موجود ہیں۔ یہ وہ شہید ہیں جن کی والدہ جب پوچھا کرتی تھیں کہ ہر وقت اپنا ہاتھ سینے پر کیوں رکھتے ہو تو جواباً کہتے کہ امام حسین علیہ السلام کے خادم کا ہاتھ سینے پر ہی ہونا چاہیے، یعنی ہر وقت حکم کی اطاعت کے لیے آمادہ باش حالت میں رہنا چاہیے۔

ابھی اس شہید کا سوچ کر احساس نداشت میں اضافہ ہوا، ہی تھا کہ کہیں سے شہید جنت اللہ رحمی کی مناجات سنائی دیں: خدا یا! عاشق اپنے معشوق سے اتنا عشق کرتا ہے کہ وہ فوت ہو جاتا ہے۔ میں بھی تجھ سے اتنا عشق کروں کہ تیرے راستے میں ٹکڑوں میں بٹنا چاہتا ہوں۔

ابھی ان پاک طینت جوانوں کی مناجات پر غور کر رہی تھی کہ کہیں سے سکیوں کی صدا سنائی دی۔ ایک عاشق خدا حالت سجدہ میں رب سے راز و نیاز کر رہا تھا کہ ”خدا یا امام زمان علیہ السلام کے سامنے عزت رکھ لے!“ بس ایک ایسی رات دے دے جو حضرت خُر علیہ السلام کو دی تھی، فقط ایک رات، میں ابھی اپنوں کے دیے ہوئے زخم، اذیتوں، تہتوں اور دکھ کا سوچ رہی تھی کہ کہیں سے شہید مصطفیٰ چران کی مناجات کی آواز سنائی دی ”خدا یا! جنہوں نے میرے ساتھ بدی کی، انہوں نے مجھے جگایا۔ جنہوں نے میری نکتہ چینی کی، انہوں نے مجھے زندگی بسر کرنے کی راہ سکھائی، جنہوں نے مجھے نظر انداز کیا اور مجھ سے بے تو جہی کی، انہوں نے مجھے صبر و برداشت سکھایا۔ جنہوں نے مجھ سے نیکی کی، انہوں نے مجھے مہربانی اور وفا سکھادی۔ پس خدا یا ان سب نے مجھے دنیا اور آخرت میں کمال اور بلندی پر پہنچایا، خدا یا! ان سب کو خیر و نیکی عطاہ فرماء۔

زندگی کو کبھی اس زاویے سے دیکھا ہی نہ تھا، یعنی کوئی اذیت اور دکھدے اور بد لے میں دعا دی جائے۔ ایک شہید کے حوالے سے ملتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کی دل آزاری کرتا تو درکعت نماز ادا کرتے اور کہتے خدا یا تیرے اس بندے کا دھیان نہ تھا تو اسے معاف فرمایا۔ ابھی سرجھ کائے ان عاشقان خدا کی مناجات پر غور کر رہی تھی کہ مسحور کن عطر کی خوشبو نے اپنے گرد گھیر لیا۔ یہ شہید علی حیدری کی قبر تھی۔ اس سے عجیب عطر کی خوشبو آتی تھی، جب کوئی اس شہید سے عطر کا نام پوچھتا تو وہ کبھی بھی صحیح سے جواب نہ دیتے۔ بعد از شہادت اس شہید کے وصیت نامے پر درج تھا: ”خدا کی قسم! میں نے کبھی بھی کسی عطر کا استعمال نہیں کیا۔ میں جب بھی معطر ہو ناچاہتا تھا تو تھا دل سے کہتا تھا یا حسین علیہ السلام!“

سوچا کہ موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی شہید سے توسل کروں اور اپنی سعادت کی دعا کے لیے بھی کہوں۔ کیسے ممکن ہے کہ قافلہ حسین پاس سے گزر جائے اور میں تنشہ رہوں۔ ابھی یہ سوچا ہی تھا اور شکوہ لب پہ آنے کو تھا، مگر جیسے شہید نے دل کی بات پڑھ لی ہو۔ آہستہ سے تبسم کیا گیا اور سر جھکا کر کہا کہ: تمہیں کیا لگتا ہے، ہم تمہاری شہادت کی دعا نہیں کرتے؟ ہم دعا کرتے ہیں اور تمہارے لیے شہادت لکھ دی جاتی ہے، مگر تم لوگ گناہ کرنے ہو اور شہادت تمہارے نصیب سے مٹا دی جاتی ہے۔ جو اب اُنہے کو کچھ نہ تھا، سوائے نہادت کے آنسوؤں اور سرجھ کانے کے۔ ابھی مزید ان پر کیف مناظر کا مشاہدہ کرنا چاہتی تھی، مگر جیسے کسی نے دوبارہ اس گناہوں بھری وادی میں دھکیل دیا ہو اور سرہانے پڑا۔ سمجھی رومال ہنوز آنسوؤں سے تر تھا۔

(۲) آگاہانہ زندگی ہی شہادت ہے

انسان کی سانسیں موت کی طرف اٹھنے والے قدم ہیں۔ حضرت علیؓ کے اقوال آگاہانہ موت کے معنی سے پُر ہیں۔ آگاہانہ موت اولیاء اللہ کی دنیاوی زندگی میں موجود کیفیت کو بیان کرتی ہے۔

یہاں تک کہ جو جتنا زیادہ زیارت کا تقریب رکھتا ہے، اتنا ہی موت سے آگاہ ہے۔ اس پر قیاس رکھتے ہوئے کہنا چاہیے کہ علیٰ کی دنیا میں موجودگی بالکل آگاہانہ موت کی طرح ہے۔ آگاہانہ موت یعنی انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُسے اپنی موت کا سامنا کرنا ہے اور اسی شاخت کیساتھ زندگی گزارے اور ہر گز اس بات سے غفلت نہ برte۔ یہ الفاظ ہیں شہید مرتضیٰ آوینی کے، وہ جنہوں نے امام کو پالیا تھا، اس کے بعد اپنی تمام تحریریں، فلسفی باتیں، جھوٹی داستانیں، اشعار سب ایک بوری میں ڈالی اور انھیں آگ لگادی۔

اس بارے میں خود کہتے تھے کہ "آن کافن، ادبیات اور اشعار حدیثِ نفس ہے اور فنکار اور شاعر اپنی ذات میں گرفتار ہیں۔ حافظ کے بقول "تم خود ہی اپنا حجاب ہو، حافظ در میاں میں سے اپنے آپ کو ہٹاؤ" میں نے کوشش کی ہے کہ اپنے آپ کو ہٹا سکوں، تاکہ جو کچھ بھی باقی بچے، وہ بس خدا ہو۔ البتہ شخص جو کچھ بھی لکھتا ہے، وہ اس کا باطنی تفکر ہے، لیکن اگر انسان خود کو خدا کی ذات میں فنا کر دے تو پھر یہ خدا ہی ہے، جو ہمارے آثار میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ شہداء کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک آگاہانہ انتخاب کیا۔ شہادت فطری نہیں بلکہ ایک آگاہانہ انتخاب ہے۔ کتنا اچھا ہے کہ انسان ایک انتخاب کی ہوئی رضا کارانہ اور اختیاری موت کا انتخاب کرے۔ موت جب کسی صاحبِ کردار سے مکراتی ہے، پھر وہ مرتا نہیں بلکہ خود موت ہی مر جاتی ہے۔

زندگی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا ہدف وہ خود ہے یعنی موت، ایک ایسی موت جو سانس لیتی ہے۔ موت زندگی کا اختتام نہیں بلکہ ایک نئی زندگی کا آغاز ہے۔ جب تک دنیا کی خواہشات کو دل سے نہیں نکالیں گے، موت کی حقیقی لذت سے آشنا نہیں ہوں گے۔ دنیا سے دل باندھنا اور بلندیوں سے دل باندھنا جبکہ موت ہم پر سایہ کیے ہوئے ہے، یہ علیٰ ابن ابی طالب ہیں جو ایسا فرماتے ہیں، وہ علیٰ جو آسمانوں کے راستوں کو زمیں کے راستوں سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ مولاۓ مقیمانَ کے

حکیمانہ اقوال پر تفکر کریں۔ جہان طلبی کو دل سے نکالیں، تاکہ خود کے لیے ایک بہترین اور ابدي حیات کا اختیاب کر سکیں۔

(۵) اے شہید و تم و فاکی کائنات ہو

پیغمبر اسلام ﷺ کی حدیث ہے کہ مومن کے لیے موت خوبصورت چھوٹوں کا گلدستہ سونگھنے جیسی ہے۔ کچھ شخصیات اپنے ماحول اور معاشرے کی بندشوں سے بے نیاز ہو کر پرواز کرنا جانتی ہیں۔ تمام تر مشکلات کے باوجود ان کی پرواز آفاتی ہوتی ہے۔ فلسفہ شہادت ہے کیا اور کیسے انسان کمال تک پہنچ سکتا ہے؟ شہادت یعنی عزت، ایمان، تمام تر خوبیاں اور ایک لفظ میں حق تعالیٰ تک رسائی اور اس کی رضا کا حصول۔ طلبِ شہادت ایک ایسی حرارت ہے جس سے انسان ہر لمحہ سلگتا رہتا ہے۔ ہر لمحہ بس اسے فکر ہوتی ہے کہ کہیں تو کوئی راہ نکلے اور وہ اپنے مالکِ حقیقی کی ملاقات کو حسین ترین ذریعے یعنی شہادت کے ذریعے جا پہنچے۔ عجیب بات ہے ناں کہ ہم زندگی میں موت چاہیں اور وہ بھی شہادت۔ یہ درس شہادت کر بلاء سے سیکھا گیا ہے، جہاں پنج بوڑھے جوان سب کو اس جامِ عشق سے سیراب پایا۔ ظاہر آگس دنیا میں شہید کی تصویر اور مزار کے سوا کچھ نہیں رہتا، لیکن اگر ہم حقیقت کی آنکھ سے دیکھیں تو شہید کا خون تاریخ کی رگوں میں چلتا رہتا ہے۔ کوئی بھی فیض شہید کی برکت کے سوانازل نہیں ہوتا۔

دین کا ثبات ہو

زیست کی نجات ہو

قوم کی حیات ہو

اے شہید و تم و فاکی کائنات ہو

صدقِ دل سے شہادت کی آرزو اس بات کا موجب بنتی ہے کہ دلوں کی آلو دیگیوں کو بر طرف کر کے انسانی سوچ کو نورانی بنادیتی ہے۔ شہادت پسندی فہم و ادراک میں اضافہ کرتی ہے اور حکمت کو انسان کی زبان پر جاری کر دیتی ہے۔ شہداء پر گریہ کرنا انسان کے اندر شہادت کے شوق کو پیدا کرتا ہے اور پھر رونے والا اپنی روح میں شہادت کامزہ چکھ لیتا ہے۔ جب جسم موت کے لیے ہی ہے تو خدا کی راہ میں شہید ہونا سب سے بہتر ہے۔ سعادت کے راستے کی خلوت سے وحشت زدہ ہوں۔ یقین رکھیے کہ خدا کی راہ میں شہادت اُن افراد کی جزا ہے، جو خدا کی راہ میں زیادہ فعال ہیں۔ شہید ہونے کے لیے ہنر چاہیے۔ خدا تک پہنچنے کا ہنر، اپنے نفس کو مارڈالنے کا ہنر، تہذیب کا ہنر، جب تک ہنر مند نہیں ہوں گے، شہید نہیں ہوں گے۔

اٹھو تم دین نظرت کی حقیقت کا حوالہ ہو
تمہارے نام سے اسلام کا پھر بول بالا ہو
اٹھو تم کو شہیدوں کا لہو آواز دیتا ہے

شہداء ہمیں درس دیتے ہیں کہ خود کو سستے داموں مت بھیجیں جبکہ خدا ہمیں مبنگے داموں خریدنا چاہتا ہے۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ آیا ہم خدا کے لیے کام کر رہے ہیں۔ شہداء نے اپنی ساری زندگی جنگ کے میدانوں میں گزاری۔ ہمیں اس بات کی فکر نہیں ہونی چاہیے کہ ہمارا کام فلاں بڑا شخص دیکھے۔ بس خدا کے لیے کام کریں، تاکہ وہ خود ہمارے کام کا اجر دے۔ ہم آپ (شہداء) کے راستے پر گامزن ہیں، محبت و جہاد کا راستہ، پختہ ارادے اور پے در پے کامیابی کا راستہ، ہم پوری دنیا کو بتائیں گے کہ کیسے خون کے ساتھ کامیابی حاصل کی جاتی ہے اور کیسے چند روزہ زندگی سے لاتنا ہی سعادتیں سمیٹی جاسکتیں ہیں۔

(۶) شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن

شِبِ جمعہ یعنی شِبِ یادِ خدا، شِبِ مناجات باخدا، شِبِ یادِ شہداء۔ شِبِ جمعہ شہداء کو اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں، حتیٰ ذکرِ صلوٽ کے ساتھ۔ شہداء کے وصیت ناموں کا مطالعہ کیا جائے تو علم ہوتا ہے کہ شہداء ہر چھوٹی بات کا خیال رکھا کرتے تھے، حتیٰ کہ وہ باتیں جو شاید ہماری نظر میں بہت معمولی ہیں، شہداء ان کے حوالے سے بھی بہت مختار رہا کرتے تھے۔ ہم جو بُشكُل واجبات کو ادا کر پاتے ہیں، اس کے مقابلے میں شہداء محتاجات کی انجام دہی میں بھی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف رہتے تھے۔ مذاپر جہاں مشکل سے غذا اور پانی میسر آتا تھا، ان سخت حالات میں شہداء اپنے پورے بُفتے کا پانی بچا کر رکھتے تاکہ جمعہ کا غسل کر سکیں۔ ہم جو اس میڈیا وار کے دور میں زندگی گزار رہے ہیں، جہاں اپنی عفت و حیاء کا تحفظ ناممکنات میں سے لگتا ہے، وہی کچھ پاک طینت و نیک فطرت فرزندانِ اسلام بھی نظر آتے ہیں، جو ہر وقت اپنی پاک نگاہوں کو نامحرم سے بچانے کے لیے کوشش ہیں، تاکہ یہ نگاہیں اپنے امام وقت کی زیارت کر سکیں۔

اس بے وفاد نیا میں زندگی گزارنا یقیناً بہت مشکل اور تکلیف دہ ہے۔ مرنا تو ہے ہی ایک دن۔ کیا بہتر نہیں کہ راہ اہل بیت علیہم سلام میں شہید ہو جایا جائے۔ غلط نہ سوچیں کہ شہداء زندگی سے تنگ تھے بلکہ انہوں نے دنیا سے دل نہیں لگایا اور ہم دنیا کے دلداہ لوگ ہیں، ہمیں دنیا کی رنگینیاں بھی چاہیں اور شہادت بھی۔ یقیناً ہم سب یہ دنیا ہر صورت میں چھوڑ کر جائیں گے۔ موت حقیقت ہے، جب احمد مرسل ﷺ نہ رہے تو کون رہے گا؟ اس لیے بہتر نہیں کہ آخرت کا سوچا جائے۔ اپنے لیے ایک بہترین ابدی حیات کا انتخاب کیا جائے۔ مگر ہم دنیا پرستی میں مشغول ہیں۔ آج دنیا کی ہرشے کو خوبصورت بنادیا گیا، یا خوبصورت بناؤ کر پیش کیا جا رہا ہے اور ہم سب اس دوڑ میں بھاگ رہے ہیں۔

جس کی طرف فتح البلاغہ میں امام المتفقین علیؑ ابن ابی طالب نشاندہی کرتے ہیں کہ تم دنیا کی طرف مائل ہو چکے ہو، تم نے کنجو سی کو اپنا لیا ہے اور تم نے اس چیز کو چھوڑ دیا ہے، جس میں تمہاری عزت و سعادت ہے۔ ہر روز تم پر ظلم ہو رہا ہے اور پھر بھی تم خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتے اور تمہاری کاہلی ختم نہیں ہو رہی۔ تمہارے دشمن کی مکمل تباہی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ تم تو اللہ کی فرما ببرداری میں زندگی بسر کرو اور تمہارا دشمن خدا کی نافرمانی کرے۔ جب تک حب الدنیا کو دل سے نہیں نکالیں گے، حقیقتاً اس وقت تک کمال کو حاصل نہیں کر پائیں گے۔ بلاشبہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ شہادت سعادت اور کمال حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، مگر سوال یہ ہے کہ انسان کیسے اس چند روزہ زندگی سے ہمیشہ کے لیے سعادت اور کمال حاصل کر سکتا ہے اور دائیٰ حیات کی نعمتوں اور سعادتوں کو یقینی بناسکتا ہے۔ یقیناً یہ شہادت ہی ہے، جس سے یہ مقام حاصل کیا جاسکتا ہے۔

شہید ہونے کے لیے شہید جیسی زندگی بسر کرنا ضروری ہے۔ شہادت مذاق نہیں، وہ تمہارے وجود کو سوگھتے ہیں، اگر اس میں سے دنیا کی بوآری ہو تو زندہ چھوڑ دیتے ہیں۔ بڑے بخت والے ہیں، جو اس مقام کو پاتے ہیں۔ شہادت عشق ہے اور عشق ہر ایک کو نہیں ملتا۔ کچھ جوان خود شہادت کا انتخاب کرتے ہیں جبکہ خوش نصیب ہیں وہ جوان کہ جن کا شہادت خود انتخاب کرتی ہے۔

آئے عشق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ زندگی چراغِ زیما لے کر

شہداء کی زندگی کا مشاہدہ کریں، تاکہ درس لیں کہ کس طرح اپنے فانی وجود کو بلند مقام تک لے جایا جاسکتا ہے۔ شجاعت، جرات، وفا و صبر و استقامت کا درس لیں اور اپنے نفس سے جہاد کا آغاز کریں۔ خدا سے دعا کریں کہ اپنے شہیدوں کے لہو کو ہماری رگوں میں جاری کرے، تاکہ زندگی کی ہوس نہ کریں۔ شہادت کے لیے نہ کسی ہتھیار کی ضرورت ہے اور نہ اسلحہ کی، فقط ایک دل کی

ضرورت ہے، جس میں صرف خدا بنتا ہو۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے دل کے ایک گوشے کو شہید کریں، تاکہ لقاء الہی کے جام کو پی سکیں۔

(۷) اٹھو تمہیں شہید و کالہو آواز دیتا ہے

کائنات کی بنیاد عشق ہے۔ جب انسان کا قلب روشن ہوتا ہے، اس میں عشقِ الہی پیدا ہوتا ہے۔ یہی عشقِ الہی کائنات کی حقیقوں کو آشنا کرتا ہے۔ عقل کی تاریک را ہوں کوئی باطنی روشنی منور کر کے کائنات کے رازوں سے ہمکنار کرتی ہے۔ کتابوں کا علم ظاہری علم ہے اور باطنی علم وہ علم ہے، جو عشق کی گرمی و تپش سے پیدا ہوتا ہے۔ عشق میں یہ تپش و گرمی نورِ الہی کی کرنوں سے پیدا ہوتی ہے، جس سے قلبِ انسانی روشن ہوتا ہے۔ کتابی علم اشیاء کی ظاہری صورت تک ہی پہنچ پاتا ہے۔ ان کے باطن میں چھپی حقیقت تک اس کی رسائی نہیں۔ عشق ہی رازِ حیات ہے، اس لیے ہر حقیقی مظہر عشق ہی کا مظہر ہے۔ جسے عشق کی پیدا کردہ باطنی قوت ہی سے سمجھا جاسکتا ہے اور یہی قوت انسان کو ادنیٰ درجے سے اٹھا کر انسانیت کے ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز کرتی ہے۔

آئیے عاشقانِ خدا کی طرف بگاہ کریں، جنہوں نے عشق کے اصل مفہوم سے آگاہ کیا۔ وہ مٹھی بھر عاشق جو اپنے ہدف اور منزل سے آگاہ تھے، جو اس مادی اور چکا چونند بیان میں مہماں کی طرح آئے اور اگلی منزل پر پہنچنے کے لیے ان کی بے قراری قابل دید تھی۔ گزار شہداء سے گزر ہوا تو دیکھا ایک جوان یہ کہتا دکھائی دیتا ہے، میری زندگی کا ہدف خدا کی معرفت، اہل بیت کادفاع اور خود سازی ہے جوانی ایک ایسا دور ہے، جہاں ہزار منہ زور خواہ شیں انسان کی توجہ اپنی طرف کھنچتی ہیں، جہاں ایک ہی جست میں دنیا کی تمام کامیابیاں سمسینے کی آرزو ہوتی ہے، وہی ایک جوان دن رات خود کو جسمانی و قلمی طور پر تیار کرتا ہے، تاکہ خود کو کاروائی شہداء سے ملا سکے۔ ابھی حیرت کے سمندر میں گم تھی کہ دیکھا ایک ایسا جوان بھی ہے، جس نے فقط سولہ برس میں اپنے عشق کو پالیا۔ وقتِ شہادت اپنی والدہ

کو یہ کہتا دھائی دیتا ہے کہ آپ میری شہادت پر گریہ مت سمجھیے گا، اس سے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا ناخوش ہوں گی۔ اپنی بے تابی سے انہیں ناراحت نہ سمجھیے گا۔

ایک ایسا جوان بھی دیکھا کہ اگر کوئی اس کی دل آزاری کرتا تو جواب دینے کی بجائے دور کعت نماز ادا کرتا اور کہتا کہ خدا یا تیرے اس بندے کا دھیان میری طرف نہ تھا، تو اسے معاف فرمادے۔ ایک کم سن انیس سالہ شہید دیکھا، جو شب زندہ دار ہے اور مثل سیدہ زہراءؓ شب کی تاریکی میں اپنے لئے گناہی مانگ رہا ہے اور یہ کہتا دھائی دیتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ کاش یا زینبؓ ہم کر بلا میں ہوتے تو کبھی شام غریباں نہ آتی، یا کبھی آپ کی چادر نہ اللہ۔ آج کی کربلا شام کی گلیوں میں برپا ہے۔ لیکن ہم اُس کے لیے کیا کر رہے ہیں؟ یہ جملہ پکار ہے حسینی مکتب کے ہر اُس جوان کے لیے جو شانی زہراءؓ عشق رکھتا ہے۔

اس دور کے شکر ابر بہ کو محمدی ﷺ فوج کے نہتے ابادیوں نے نصرت الٰہی کے ساتھ کتنی آسانی سے ملیا میٹ کر دیا اور کیسے جدید شیکنا لو جی، تدبرات اور شیطانی سازشوں کو توکل، استقامت، توسل اور غیبی مدد سے ناکام بنا دیا۔ یہ (مجاہدین) خدا کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں، جوز میں میں گمنام جبکہ آسمان میں معروف و مشہور ہیں۔ آج ہم اپنے امور پر نظر ثانی کریں، آیا ہم رضاۓ الٰہی کے لیے قدم اٹھا رہے ہیں؟ ان پاک طبیعت عاشقانِ خدا کو دیکھ کر ایک لمحے خیال آتا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کے اتنے برس گزار دیئے، آخر خدا ہمارا خریدار کیوں نہ ہوا؟ شہداء جس طرح ہر کام کے لیے خدا اور آنکھہ اطہار سے توسل کیا کرتے تھے، ہم نے اپنے انفرادی، سماجی اور اجتماعی امور میں بہتری کے لیے خدا سے کتنا ازاں و نیاز کیا؟

شہداء کی وصیت ناموں کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں۔ حب الدنیا کے لباس کو اتار دیں اور جہاد و مقاومت کی زرہ کو پہن لیں، تاکہ خدا بھی ہمیں مہنگے داموں خریدے۔

حق ہے ہمارا راستہ منزل ہماری کربلا
 ہم ہیں حسین کارواں، ہم فاطمی رزم جہاں
 خون شہیدان کی قسم سینہ پر ہیں دم بدم
 میداں میں اٹھیں جب قدم پسپا ہوں سب اہل ستم
 ہم وارث سیف و علم، ہم ضامنِ لوح و قلم
 ہم ہیں حسین کارواں ہم فاطمی رسم جہاں

(۸) شہداء کی مناجات

شہداء گمنام کی بہت ساری مناجات ایسی ہیں، جنہیں قلم بند کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایک شہید کی زندگی کو دیکھا جائے تو انسان حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے کہ وہ با تین جنہیں ہم، بہت عام سمجھتے ہیں، شہداء ان کے حوالے سے بھی بہت محتاط نظر آتے ہیں۔ واجبات تو کجا مستحبات کی ادائیگی میں بھی اس قدر رعایت کرتے کہ ایک لمحے کے لیے یوں گلماکہ جیسے یہ اس جہاں کی مخلوق نہیں۔ عاشقانِ خدا کس طرح اپنے خالقِ حقیقی کو پکارتے تھے، آئیے ان پاکیزہ نفوس کی مناجات کو دیکھیں اور اپنی زندگیوں کو بھی اعلیٰ اہداف کے حصول کے لیے وقف کریں۔

شہید حاج عبدالستار قندانی پور

خدا یا! دنیا سے وابستگی کی جڑوں کو میرے وجود کی خاک میں خشک کر دے اور دنیوی تعلق کی رگوں کو میرے دل کے اندر سے جلا دے۔

شہید حسین یحیائی

اے خدا! یہ میرا دل، میری جان اور روح صرف تجھے بلاتی ہے۔ اب دنیا اور اہل دنیا کے درمیان رہنے کا حوصلہ نہیں رکھتا ہوں۔ اب یہ چاہتا ہوں کہ اس گناہوں سے بھری وادی سے کوچ کروں اور اس عشق و محبت کی وادی میں قدم رکھوں۔ اے لوگو! روح اللہ کی روح کو الٰہی رہنے دو، دنیا طلبی کے راستے سے نکل کر رضاۓ الٰہی کے راستے پر گامزن ہو جاؤ اور اللہ کی مرضی کو طلب کرو۔

شہید بہزاد حداد ماہی

خدا یا! میں چاہتا ہوں کہ اگر شہید ہوں تو بغیر سر کے، تاکہ امام حسینؑ کے سامنے شرمندہ ہوں۔ خدا یا! میرے اوپر رحم کر، خدا یا! میں ہمیشہ چاہتا تھا کہ شہید ہو جاوں، میری اس تمنا کو برلا۔

شہید ڈاکٹر مصطفیٰ چهران

اگر میرے اعضاے بکھر جائیں، میری ہستی آگ میں جل جائے اور میری راکھ ہوا میں اڑ جائے، تب بھی میں صبر کروں گا اور اپنے خدا کی عاشقانہ عبادت کروں گا۔ کاش میں شمع ہوتا، تاکہ سر سے پیر تک جل جاتا اور تاریکی کو اپنے اطراف سے چھٹ دیتا۔ میں کفر والخاد کو اجازت نہیں دوں گا کہ ہمارے اوپر مسلط ہو۔

شہید عباس مرزا ی

الٰہی، میرا دل تیری وجہ سے کام کر رہا ہے، ورنہ اس دل کا کوئی کام نہیں ہے۔ ایک مرد ہے جو ان غاہ کا ان جام کیا ہے۔ خدا یا تیرے سوا کسی کی اطاعت ناممکن ہے۔ خدا یا دل صرف تیری تمنا کرتا ہے۔

شہید علی اکرمی

خدایا! اپنی اطاعت کو مجھے الہام کر، اپنی نافرمانی سے مجھے دور کر اور جو چیز تیری خوشنودی کا باعث بنے اس تک رسائی حاصل کرنے کی توفیق عنایت کر۔ مجھے اہل بہشت کے درمیان جگہ عنایت کر، ہمارے دلوں سے بدگمانی کے پردے ہٹا دے اور ہمارے ضمیر سے باطل کے نقش کو مٹا دے۔

شہید عباس محمدی محل

خدایا! اکتنا اچھا ہے ہجرت کرنا اور جہاد کرنا۔

خدایا! اکتنا اچھا ہے جہاد کرنا اور شہادت پاتا۔

خدایا! اکتنا اچھا ہے دنیوی تعلقات سے دور ہونا اور ذات کبڑی سے مل جانا۔

خدایا! اتنا اس راستے پر چلوں گا کہ تیرے حضور تک پہنچ جاؤ۔ اس قدر تیری خاک پر سجدے کروں گا کہ تجھے پالوں۔ اس قدر دعا کروں گا کہ تو میرے دل کو اپنا گھر بنائے اور اس قدر دروازہ کھٹکھٹا دوں گا کہ تو دروازہ کھول دے اور میری جان کا خریدار بن جائے۔

شہید مرتضی عمرانی پور

بار الہا! ایسا احساس کر رہا ہوں کہ اب تک آئمہ معصومینؑ سے میرا کوئی رابطہ نہیں رہا ہے، لہذا تجھ سے یہ چاہتا ہوں کہ میری عمر کے آخری لمحے میں میرا پہلو ٹوٹ جائے، میرا چہر انلائپ جائے، اپنے بازووں میں درد جھیلوں اور میرے سینے میں جلن کا احساس ہو، تاکہ میرا جسد اور بدن آئمہ معصومینؑ کے مشابہ ہو جائے۔

شہید مسعود صالح محل

خدایا! توفیق دے حق و باطل کی جنگ میں عشق کے ساتھ لڑوں اور طاغوت و شیطان کو زمین بوس کردوں۔ توفیق دے پروانہ کی طرح تیرے وجود کے اطراف میں چکر کاٹوں اور اپنے آپ کو جلاوو، تاکہ تمام زنجیریں ٹوٹ جائیں اور آزادی کے ساتھ زندگی کے معركہ میں کوڈ جاو۔ توفیق دے تاکہ تیز تلوار کے ساتھ تاریخ کے سکوت کو توڑوں۔ توفیق دے مادی لگاؤ سے اپنے آپ کو آزاد کردوں۔

شہید محمد علی فتاح زادہ

خدایا! جب تجھے دیکھتا ہوں تو اپنے آپ کو تاجدار پاتا ہوں، جس کے سر پر تاج رکھا ہے اور جب اپنی طرف نگاہ کرتا ہوں تو اپنے آپ کو خاکسار پاتا ہوں، جس کے سر پر خاک پڑی ہو۔ بعض اوقات بعض نگاہیں دل کی آنکھوں کو خدا کی طرف کھولتی ہیں، خصوصاً گروہ نگاہ آسمانی شہید کے دل کی ہو۔ شہداء سے ہر گز گلہ نہ کریں کہ وہ آپ کا ہاتھ تھامیں بلکہ اس فکر میں رہیں کہ وہ جواب طلبی کے لیے آپ کا گریبان نہ پکڑیں۔

(۹) آیاموت شہد سے زیادہ شیریں ہے؟

موت میرے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے، یہ الفاظ کربلا کے اُس کم سن تیرہ سالہ شہزادے کے ہیں، جسے دنیا قاسم ابن الحسنؑ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ شبِ عاشورہ امام عالی مقام جوانان بنی ہاشم کے شوق شہادت کا قریب سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ شہادت کی تڑپ اور ولی خدا کی راہ میں تلوار چلائے جانے کی امنگ ایک لمحہ بھی سکون لینے نہیں دیتی۔ کربلا کی میں تمام رات اپنے بچوں کو نصرت امامؑ اور رموز شہادت کا درس دیتی نظر آتی ہیں۔ اسی اثناء میں جنابِ قاسم امامؑ وقت

سے پوچھتے دکھائی دیتے ہیں کہ آیا مولاً میں بھی شہید ہو جاؤں گا؟ حسین ابن علیؑ پوچھتے ہیں کہ بیٹا آپؐ موت کو کیسا دیکھتے ہیں؟ پھر تاریخ نے لکھا کہ حیدر کرارؐ کے پوتے نے تاریخ ساز جملہ کہا جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی اور یہ جملہ فقط اسی گھرانے کے جوان کے لب پر آسکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: أحلى منَ العَسْلِ بِچَاجَانٍ ”موت میرے لیے شہد سے زیادہ شیریں ہے۔“

اس مختصر سے جملہ میں حیات و موت دونوں کا پورا فلسفہ موجود ہے۔ وہ موت ہے ہم انسانی زندگی کے اختتام سے تعبیر کرتے ہیں، اصل میں وہ داگئی حیات ہے جو دنیا کی لذتوں کو ختم اور خواہشات کو مردہ کر دیتی ہے۔ یہ اپنے دامن میں داگئی بقا اور لازوال نعمتیں لیے ہوئے ہے۔ جناب قاسمؐ جانتے تھے کہ یہ موت عام موت نہیں ہے بلکہ ایسی سعادت ہے، جو دین خدا کی حفاظت اور ولی خدا کی نصرت دیواری کے مقابلے میں حاصل ہوگی اور اس کی لذت و مٹھاں شہد سے کئی گناز یادہ ہے۔ پھر جناب علیؑ کا یہ جملہ کے باباً گرہم حق پر ہیں تو فرق نہیں پڑتا کہ ہم موت پر جاپڑیں یا موت ہم پر آپڑے، بخوبی سمجھ میں آجائے گا۔

اس جملے سے کیا درس ملتا ہے؟

ہم دنیا کے دلادہ لوگ ہیں، جنہیں خدا بھی چاہیے، دنیا بھی اور آخرت بھی۔ آج کا انسان ابھی موت کی حقیقت سے ناآشنا ہے، اس لیے موت سے گھبرا ہتا ہے۔ جس دن موت میں چھپی داگئی حیات کو درک کر لے گا، پھر خود اس کی تمنا کرے گا، پھر لقاءِ الہی کا جام پیزے کی آرزو دن بدن زور پکڑتی جائے گی۔ پھر قدم زمین پر نہیں رہیں گے۔ دل خود خود آسمانی پر وازا کے لیے بے چین ہو گا، جو تڑپ بندہ مؤمن کے دل میں لقاءِ معبد کے لیے ہے، اس کا اندازہ لگانا ممکن ہے۔ مگر یہ اسی وقت ممکن ہے، جب انسان صحیح معنی میں حب دنیا اور حب نفس کی قید سے آزاد ہو جائے۔ حقیقی معنی میں خود کو کربلا والوں سے متنفس کر لے اور یہی کربلا اور کربلا والوں کا درس ہے کہ انسان اس دنیا کی

بے شایقی کو زگاہ میں رکھے اور اپنے نفس کو جنت سے کم پر نہ تو لے۔ کاش خدا ہمیں وہ باطنی آنکھ عطا کرے کہ موت اور اس میں پوشیدہ راحت و آسودگی کو جان سکیں۔ آمین

(۱۰) مومن از عشق است و عشق از مومن است

عشق الٰی کا فلسفہ نظام فکر کی بنیاد ہے۔ عقل سے کائنات کو تغیر کیا جاسکتا ہے مگر لامکاں کی تغیر کے لیے عشق درکار ہے، ایسا عشق جو شہداء نے خدا سے کیا، شب کی تاریکیوں میں، محاذ کے پتے صحراؤں میں العفو کی بلند ہوتی صدائیں میں، جہاں صحرائی جھلکتی ہوئی دھوپ اور سیدہ سلام اللہ علیہا کی محبت کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا۔ شہداء نے عشق کے مفہوم کو بڑے و سعی معنوں میں نہ صرف استعمال کیا بلکہ عملاً عشق کی منازل کو عبور کر کے دیکھایا اور اسے تخلیقی جذبہ اور قوت ایمانی کا سرچشمہ قرار دیا۔ یہ عشق کا جذبہ ہی ہے کہ جس سے انسان میں سوز و درد پیدا ہوتا ہے اور اسی سے زندگی میں جستجو اور تب وتاب پیدا ہوتی ہے، جو نئے جہاں پیدا کرنے کے لیے انسان کو مضطرب رکھتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عاشقانِ خدا اپنے معشوق کی عشق میں جان کاندرانہ پیش کرنے کا اصل حیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ عقل ایک حد تک ہی انسان کی رہنمائی کر سکتی ہے کیونکہ وہ محدود ہے جبکہ عشق شک و شبہ سے نکال کر اشیاء کی باطنی حقیقت سے آشنا کرتا ہے۔ خدا کے حضور ہر وقت دعا کریں کہ ہم تجھے عقل سے نہیں بلکہ عشق سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ خدا سے دعا کریں کہ ہمیں پرواز کرنا سکھا تاکہ تیری بارگاہ میں اڑ کر پہنچ جائیں، ہمارے سینیوں کو کشادہ کرتا کہ اُس آفاقی دنیا کے اسرار اور موز کو درک کر سکیں اور اپنے شہداء کے خون کو ہماری رگوں میں جاری کرتا کہ زندگی کی ہوس نہ کریں۔ بعض احباب نادا نسٹگی میں بسا اوقات یہ کہتے دیکھائی دیتے ہیں کہ شہداء زندگی سے بیزار تھے، دنیا کی زرق برق سے ہر وقت نالاں رہتے تھے تو ایسا ہر گز نہیں ہے۔ یہ ہر گز گمان مت آنے دیجیے

کہ شہداء زندگی سے بیزار تھے بلکہ انہوں نے دنیا سے دل نہیں لگایا جبکہ ہم دنیا کے دلدادہ لوگ ہیں ہمیں دنیا کی رنگینیاں بھی چاہیے اور شہادت بھی۔ !! شہادت اصل میں ہے کیا؟ یعنی انسان زندگی بسر کرے، اپنے واجبات اور فرائض کو نجام دے فقط خدا کے لیے۔ شہادت یعنی اگر خدا کی راہ میں جان دینا چاہتے ہو تو خدا کے لیے زندگی گزارو۔ شہداء کر بلا موت کی طرف رغبت کیوں رکھتے تھے؟ یہاں تک کہ امام عالی مقام فرماتے ہیں کہ جیسے اصحاب مجھے مل دیسے نہ میرے نازار سول خدا ﷺ کو ملے اور نہ بابا اور بھائی حسن علیہ السلام کو۔ یہی سوال صادق آل محمد علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ مولا امام حسین علیہ السلام کے اصحاب موت کو یقینی سمجھتے ہوئے پھر یہی اُس کی طرف بڑھتے جا رہے تھے تو ایسا کیوں تھا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیونکہ شبِ عاشور کے خطبے کے بعد ان کے سامنے سے پر دے اٹھ گئے تھے اور وہ خود جنت کے نظاروں کو دیکھ رہے تھے، وہ اپنی منزل مقصود کی طرف اقدام کر رہے تھے اور جنت ان کے نزدیک ہوتی جا رہی تھی۔ اس وجہ سے

Tragedy of Karbala نے Carlyle میں لکھا:

The Campanions of Hussain were so brave and courageous that they defeated the death indeed.

یہی بات جب ہم مدافعینِ حرم کے حوالے سے کرتے ہیں تو یقین نہیں کیا جاتا، وہ جنہوں نے اپنی جان کا نذر انہ سیدہ سلام اللہ علیہا کے حرم کی حفاظت کے لیے پیش کیا وہ اپنے ہدف سے آگاہ تھے جاننے تھے کہ یہاں شہادت حتیٰ ہے۔ شہادت اتفاق نہیں انتخاب ہے ایک آکاہنا انتخاب کہ اگر وقت کے حسین علیہ السلام کو خون کا نذر انہ پیش کرنے کا موقع ملے تو قدم ڈمگاۓ نہیں بلکہ کامل یقین کیسا تھہ میداں عمل میں اتریں۔ شہادت یعنی عشق اور عشق ہر ایک کو نہیں ملتا۔ شہادت یعنی معراجِ مؤمن کچھ جوان خود شہادت کا انتخاب کرتے ہیں جبکہ خوش نصیب ہیں وہ جوان کہ جنکا شہادت خود انتخاب کرتی ہے۔ ہم خود سے سوال پوچھیں کہ اگر آج وقت کے یزید کے خلاف قیام کرنے کا موقع ملے تو کیا ہم نصرت امام کے لیے تیار ہیں؟ کیا ظہور کے اُس عظیم معركے کے لیے خود

کو آمادہ کر رہے ہیں کہ جس کے لیے خدا کی مشیت انتظار کر رہی ہے؟ امام وقت (ع) کے راستے کے لیے کیا ہم تیار ہیں؟

(۱۱) شہادت اور ہمسفر

شہادت عشق ہے، عشق کیا ہے؟ عشق جذبہ نہیں اور نہ ہی احساس ہے، عشق ایک عمل ہے۔ عشق ایسا عمل ہے، جو عاشق کو معشوق کی محرومیت میں ڈال دیتا ہے۔ عشق اس کی رگوں میں خون کی طرح سفر کرتا ہے۔ عاشق معشوق کو پانے کے لیے بہت کوشش کرتا ہے۔ اس کی منزل محبوب کا قرب ہوتا ہے۔ ”وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُلَيْلَنَا“ اور جن لوگوں نے ہمارے راستے میں (جدوجہد) جہاد کیا، ہم ان کو ضرور اپنے (قرب کے) راستے دکھادیں گے۔ اور جب تک وہ محبوب کی راہ پر نہیں چلے گا، محبوب تک نہیں پہنچ گا اور اگر اس عشق کی منزل اور محبوب خدا ہو تو یہ عشق صرف عشق نہیں بلکہ بہشتی عشق ہوتا ہے۔ مگر خدا جن کا معشوق ہو، وہ دنیا میں سکون نہیں پاتے بلکہ ان کا سکون تو لقاء اللہ میں ہوتا ہے۔ ”مَنْ كَانَ يَرْجُعُونَ لِقاءَ اللَّهِ فَأَنَّ أَجْلَ اللَّهِ لَا تَأْتِ“ انہیں سکون صرف قرب الٰی سے حاصل ہوتا ہے اور وہ یتُظْرَفُ فِي وَجْهِ اللَّهِ کا مشتاق ہوتا ہے۔

عاشق اور معشوق کی ملاقات کے لیے یہ دنیا مناسب نہیں۔ شہید ابراہیم ہمت کہتے ہیں: ”دو محبت بھرے دلوں کی ملاقات کے لیے آغوش ابد سے بہتر کوئی جگہ نہیں“، ”المذاہ غاک کا لباس پہن کر خون کا سہرا سجا کر جام شہادت نوش کرتا ہے اور محبوب کی جانب چل پڑتا ہے۔ شہادت آرزو نہیں مطلوب ہے، تم نہیں مقصود ہے، راہ نہیں منزل ہے اور قاب نہیں روح ہے۔ شہادت موت نہیں زندگی ہے۔ نہ جانے میری طرح کے کتنے عاشق ہوں گے اس دنیا میں اور کچھ تو اس عشق کی منزل (شہادت) کی طلب میں دنیا سے چلے گئے، مگر کچھ گوہر نایاب کہ جنہوں نے اپنی مراد کو پالیا۔ عاشق تو ہم بھی تھے۔ پھر ہم کیوں نہ منزل کو پہنچ؟ ہمارا عشق کامل نہ تھا۔ ہم دو کشیوں کے سوار

فصل اول: شہادت

تھے۔ دنیا بھی اور شہادت بھی۔ جبکہ "وَمَا أَنْجَيَا أُلْكُنْتِيَا إِلَّا مَثَانِعُ الْغُرُورِ" دنیا کی زندگی فریب اور دھوکہ کے سوا کچھ نہیں۔

دنیا تو ایک حباب کی مانند ہے اور جیسا کی امام خمینی رحمۃ اللہ نے 8 فروری 1979ء کے دن فرمایا: "دنیا اس کائنات کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے، یعنی دنیا انتہائی پست چیز ہے" کیا ایسا ممکن ہے کہ انسان دنیا کا بھی ہو اور شہادت بھی حاصل کر لے۔ ایسا ممکن نہیں، کیونکہ دنیا مادی ہے۔ جیسا کہ شہید سردار قاسم سلیمانی تمنغہ ذوالفقار حاصل کرنے کے بعد اپنی بیٹی زینب سے فرماتے ہیں: "یہ سب دنیا کی چیزیں ہیں، دعا کرو کہ ایک دن خدا سے آخرت کا تمنغہ لینے میں کامیاب ہو سکوں"۔ جبکہ ہمارا معشوق یعنی ذات خدامادی چیزوں سے مبررا ہے اور جنہوں نے لقاء اللہ کو حاصل کیا، وہ تو اس مادی دنیا کے بھی شہید تھے، کیونکہ شہادت کی شرط ہے کہ "شرط شہید شدن شہید بودن است" اور ہم تو اس دنیا میں غرق ہیں، ناکہ شہید۔ جب تک اس دنیا میں شہید نہیں ہوں گے۔ کبھی بھی قرب الٰہی حاصل نہیں کر سکیں گے۔

ہمسفر کیا ہے؟ ہمسفر جو آپ کے ساتھ سفر کرے۔ اب وہ سفر چاہے ایک شہر سے دوسرے شہر کا ہو یا ایک جہاں سے دوسرے جہاں کا، شہادت اور ہم سفر کا آپس گہرا تعلق ہے۔ شہادت ایک سفر ہے، عشق کا سفر اور اس سفر کا ہمسفر ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ اگر ہمسفر بھی عاشق ہو تو اس عشق کے سفر کو دونوں ایک دوسرے کے لیے آسان کریں گے۔ جب ایک عاشق مجرد ہوتا ہے اور اسی حالت میں وہ شہید ہو جاتا ہے تو وہ تنہا شہید ہوتا ہے، لیکن جب یہی عاشق اس سفر کے لیے ایک ہم سفر کا انتخاب کرتا ہے، تو وہ تنہا شہید نہیں ہوتا بلکہ اس کی ہمسفر بھی اس کے ساتھ شہید ہوتی ہے۔ نہ صرف اس کی ہمسفر بلکہ اس کی گود سے پیدا ہونے والا بچہ اور اس کے بعد نہ جانے کتنے اور شہید پیدا ہوتے ہیں اور یوں شہادت و راثت بن جاتی ہے اور عشق خون کی طرح رگوں میں سفر کرتا ہے اور ہر شہید اور اس کی ہمسفر اور پھر شہید اتن شہید جبکہ اس کے مقابلے میں اگر ایک عاشق تنہا

عشق کو پہنچ تو وہ تھاء ہی شہادت کو حاصل کرے گا اور اگر ہمسفر اس عشق کے سفر میں مددگار ہو تو کتنے شہید اس خاندان سے ہوں گے اور یہ خاندان دشمن کے لیے آنکھ میں چھبے ہوئے ایک خار کی مانند ہو گا۔ پس شہادت اور ہمسفر ایک دوسرے سے مر بوط ہیں۔ شہادت کا سفر ہم خیال ہمسفر کے ساتھ مزید آسان ہوتا ہے۔

فصل دوم

مَا فَعَلْنَا حِرْمَانٌ

(۱۲) مدافعینِ حرم عاشقانِ پاک طینت را

آج سے کچھ عرصہ قبل جب میں نے اپنے فلمی سفر کا آغاز کیا تو مجھے بہت سارے مفید مشوروں سے نواز گیا۔ جن میں سے ایک مشورہ یہ تھا کہ آپ کہانیاں لکھنا شروع کریں، لوگ کہانیاں پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ آئیں آج آپ کو تخیلاتی انسانوں اور فرضی کرداروں کی بجائے حقیقی مجاہدوں کی داستان سناؤ۔ آپ نے یقیناً اپنے زمانہ طالب علمی میں فلمی ناول، تاریخی فلشن، سیاسی اور مذہبی افسانے، جذباتی داستانیں اور فرضی کردار تو بہت سارے پڑھے ہوں گے اور ممکن ہے کہ ان کرداروں نے آپ کی زندگی کو کافی حد تک متاثر کیا ہو، مگر آئیے آج حقیقی دنیا کے حقیقی کرداروں سے ملتے ہیں۔ آج حقیقی مجاہدوں کی داستان سنتے ہیں، جن کی مظلومیت اس سے زیادہ کیا ہو گی کہ یہ غیر تو غیر اپنوں میں بھی مگناہ ہیں۔ شہداء مدافعینِ حرم، جن کا مقر وض ہروہ شخص ہے، جس کے دل میں اہل بیت اطہار علیہ السلام کی محبت ہے اور ان پر زیادہ سے زیادہ لکھنا ہم سب کا واجب فریضہ ہے۔

جب مدافعینِ حرم کے شہداء کی عنایات و معجزات کے حوالے سے بات کی جاتی ہے تو بعض احباب نادانشگی میں اسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اکثر یہ کہتے ہیں کہ یہ تو خدا کے ولی اور صالحین کے معجزات ہیں، جو آپ بیان کر رہے ہیں یا مبالغہ آرائی سے کام لے رہے ہیں، لیکن اگر ہم وقت کیسا تھا ان عاشقانِ خدا اہل بیت و مدافعین ولایت کی زندگیوں کا در قیق مطالعہ کریں تو ہمیں اندازہ ہو گا کہ کیسے انسان اپنے نفوس کی طہارت کے ذریعے خدا کے مقریین کا مقام حاصل کر سکتا ہے اور وہ را جو ایک عارف یا فقیہ سالوں میں درک کرتا ہے، وہ ایک بسیجی جوان شب کی تاریکی میں

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے توسل کر کے درک کر لیتا ہے۔ آئیے ان عاشقان خدا کی زندگیوں کی طرف ایک نگاہ ڈالیں اور پھر اپنے نفوس کی طرف دیکھیں، جو اس منہ زور دنیا کی طرف راغب ہیں۔ مدافع حرم شہید اسما علیل خانزادہ کو اپنی شہادت کی تاریخ معلوم تھی۔ بقول پدر شہید گھر میں ایک کیلنڈر لٹک رہا تھا، اس پر بیس دسمبر اپنی شہادت کی تاریخ کو اس نے خود کراس کر کھاتھا۔ شہید کی شہادت کے ۸۰ دن بعد شہید کی کتاب سے ایک تحریر ملی۔ لکھا تھا ”خدا یا اگر تیری مخلوق نہیں جانتی، تو تو جانتا ہے کہ ۲۰۰۳ء گلزارہ ماہ مبارک رمضان کو مجھے حضرت جنت فرزند زہراء امام زمانہ علیہ السلام کی زیارت کی توفیق حاصل ہوئی۔ خدا یا تھک گیا ہوں، ٹوٹ گیا ہوں، اب میری کوئی آرزو نہیں، سوائے شہادت کے۔ دنیا اور دنیا والوں سے فرار کر کے تیری طرف آیا ہوں، مجھے اپنی رحمت کے سامنے میں جگہ عنایت فرم۔ اپنے وصیت نامے کے ایک حصے میں لکھتے ہیں کہ جب تک انقلاب کے اس علمدار رہبر معظم کی چھتری کے نیچے رہیں گے، کامیاب رہیں گے، ہمارا علم دنیا میں لہراتا رہے گا اور خدا نخواستہ ذرہ برابر بھی ہم نے ولایت سے فاصلہ اختیار کیا تو میں اسے شکست نہیں کھوں گا بلکہ یہ ہماری تینی تباہی ہے۔“

مدافعین حرم کے ایک اور خوبصورت شہید، شہید مصطفیٰ صدرزادہ شہریار جو نو حرم کو شہید ہوئے، اُسی روز جس دن آپ کی والدہ نے نزراں نی تھی۔ بقول مادر شہید آپ حضرت عباس علمدار کی نذر تھے۔ نو حرم کا روز تھا، جب شہید مصطفیٰ تین سال کے تھے۔ شہید کی والدہ مجلس میں موجود تھیں کہ شہید دروازے سے باہر نکل گئے اور ایک گاڑی نے نکٹھا۔ کسی نے آکر شہید کی والدہ کو بتایا کہ مصطفیٰ مر گیا۔ شہید کی والدہ نے اُسی وقت زیارت کے سامنے حضرت عباس سے توسل کیا اور گزارش کی کہ مولا عباس یہ آپ کی نظر ہے، اسے بچا لیجیے، آپ سے عہد کرتی ہوں کہ اسے آپ کا سپاہی بناؤں گی۔ اذاں ظہر میں دس سے پندرہ منٹ باقی تھے کہ مصطفیٰ اٹھ بیٹھا۔ مدافع حرم شہید مصطفیٰ کی شہادت کا دن اور وقت بھی یہی تھا، یعنی نو حرم اذاں ظہر سے دس پندرہ منٹ پہلے، آپ

نے کلنا عباسک یا زینب کا نعرہ بلند کرتے ہوئے جام شہادت پیا۔

بعقول مادرِ مدافع حرم شہید موسیٰ، جب موئی شام میں بی بی زینب سلام اللہ علیہا کے حرم کی حفاظت کے لیے گئے تو ان دونوں میں سخت پریشان تھی، جو دون گزر ہے تھے، میرے لیے نہایت پریشان کن تھے۔ ان ایام میں میری تہائی کا واحد سہارا قرآن تھا، کیونکہ شہید کثرت کیسا تھا تاکید کیا کرتے تھے کہ ہر وقت قرآن سے مانوس رہیں۔ شہید کی والدہ کہتی ہیں کہ میں نے سخت پریشان میں قرآن سے مدد اگلی تو آیت آئی کہ فَكُلُّى وَ اشْرَبُى وَ فَرَّى عَيْنًا (اس کھجور سے کھائیے) اور (اس چشم سے ہمیشہ) پیسیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ (سورۃ مریم آیت ۲۶) ایک بار پھر قرآن سے تو سل کیا تو سورۃ انسان کی آیت ۵ اور ۶ نظر سے گزری۔ ترجمہ: "بیشک ہمارے نیک بندے اس پیالے سے پیں گے، جس میں شراب کے ساتھ کافور کی آمیزش ہو گی، یہ ایک چشمہ ہے، جس میں اللہ کے نیک بندے پیسیں گے اور جدھر چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے"۔

مدافع حرم شہید موسیٰ کی والدہ نقل کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں شہید کی قبر پر موجود تھی کہ ایک دن ان کے دفتری ساتھی وہاں آئے اور کہتے ہیں کہ "مدافعین حرم کے شہداء اپنے زمانے کے پیغمبر ہیں"۔ میں نے شہداء کی عنایات دیکھیں تھیں اور مجھے شہداء پر یقین بھی تھا، مگر پھر بھی میرے لیے یہ لفظ کہ وہ اپنے زمانے کے پیغمبر ہیں، میرے لیے قبول کرنا بھاری تھا۔ میں نے ایک بار پھر کلام الٰہی سے تو سل کرنا چاہا اور اس دفعہ بہت خوبصورت آیت میرے سامنے آئی۔ ترجمہ: اور اپنی کتاب میں موسیٰ گاہنگ کر کہ وہ میرے مخلص بندے اور رسول و بنی تھے اور ہم نے انہیں کوہ طور کے دائبِ طرف سے آواز دی اور راز و نیاز کے لیے اپنے سے قریب بلا لیا۔ (سورۃ مریم آیت ۵۲)

شہید مدافع حرم کا نام بھی موسیٰ تھا اور آیت بھی کلمیم اللہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تھی۔ بقول مادر شہید، شہید کی شہادت کے بعد یہ بات میرے علم میں آئی کہ ام المصالح نواس رسول جناب زینب سلام اللہ علیہا کے حرم میں لکھی ہوئی آیات اُس زمانے میں میری مدد کو آیا کرتیں

تھیں۔ بلاشبہ یہ شہداء زینبیوں پر اہل بیت اطہار علیہ السلام کے خاص اطف و کرم کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح ایک کم سن جوان فرزند شہید محمد امیر ملاز ھی نے جب یہ سنائے اس کے باہد فاع مقدس میں شہید ہو گئے ہیں تو اب وہ باقاعدگی سے نشانہ بازی کی کلاس لے رہا ہے، تاکہ بڑے ہو کر اپنے شہید بابا کی طرح مدافع حرم بنے اور حرم جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا دفاع کرے۔ مدافع حرم شہید رضاملاہی اس قدر شہادت کے عاشق تھے کہ داڑھی چھوٹی رکھا کرتے تھے، تاکہ انہی حرم سیدہ کی نوکری مل سکے، چونکہ ان کی داڑھی سفید تھی، اس لیے انہیں ڈر تھا کہ شاید انہیں نہ بھیجیں، اس لیے چھوٹی داڑھی رکھا کرتے، جوان کی جانب سے شہادت سے عشق کو ظاہر کرتا ہے۔

مدافع حرم شہید محمد اپنے وصیت نامے میں اپنی ہمسر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اگر خانم محبوبہ بلباسی نہ ہوتیں تو میں کبھی مدافع حرم نہ بنتا۔ شہید کی شہادت کے بعد آپ کی دختر زینب اس دنیا میں آئیں۔ اسی طرح ہمسر شہید خانم وحید علوی جن کے شریک حیات نے مدافع حرم بننے کی آرزو کی تو آپ نے کربلا کی شیر دل خواتین کی طرح اپنے شریک حیات کو دفاع مقدس کے لیے بھیجا۔ بلاشبہ خانم بلباسی اور خانم علوی آج کی خواتین کے لیے بہترین نمونہ عمل ہیں۔

ان تمام شہداء مدافعین حرم میں ایک اور ایسا خوبصورت جوان بھی موجود ہے، جو فقط چار روز کا دلہا قہا، ہزار خواہیں اور دنیا کی راحیں جس کی منتظر تھیں، مگر جیسے سنا ایک بار پھر نسلی زیادتے حضرت زینب کبری سلام اللہ علیہا کی چادر پر میلی آنکھ ڈالی ہے، تمام تر مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مثل وہب کلبی اپنے فریضے کو انجام دیا۔ کاروان شہداء تیزی سے آیا اور گزر گیا، ہم ایک بار پھر حسرت سے ”یا لیتنا معکم“ کی گردان کرتے رہ گئے۔

یہ خون اہل بیت علیہ السلام کے حرم کا دفاع کرتے بہایا گیا ہے، المذاہتی قابل قدر ہے۔ اگر مدافعین حرم اپنی جان کا نذرانہ پیش نہ کرتے تو سن اکٹھے ہجری کی کربلا ایک بار پھر دہرائی جاتی۔ شہداء کی زبان شہید ہونے کے بعد کھلتی ہے اور وہ لوگوں کے ساتھ باقی کرتے ہیں۔ اگر ہمارے

کانوں پر پردہ نہ پڑا ہو تو ہم ان کی آواز بآسانی سن سکتے ہیں۔ یہی جوان شہید جو حرم مقدس کے دفاع کے لیے گئے اور شہید ہوئے، ان کی باتیں، ان کے کام، ان کے معز کے، ان کی یادیں، ان کے بارے میں جو باتیں کی جاتی ہیں، سب ہمیں بیدار کرنے کے لیے کافی ہیں۔ یہ سب شعور و آگاہی دینے والی باتیں ہیں۔ اگر ہم ان شہداء کے انکار کو عام کر سکیں تو یقیناً گفر و الحاد کی جانب رغبت اور جھکاؤ ختم ہو جائے گا اور حقیقی اسلام محمدی کا پرچم پوری دنیا میں سر بلند ہو جائے گا۔

(۱۳) مدافعین حرم کون تھے؟

جب ہم مخالفین حرم کا ذکر کرتے ہیں تو بہت سارے سوالات جنم لیتے، مگر افسوس یہ سوال غیر نہیں بلکہ اپنے اٹھاتے ہیں۔ آئیں جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ مدافعینِ حرم کون تھے؟ انہیں شام کس نے بھیجا؟ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ پاکستان سے ہزاروں افراد شام میں داعش میں بھرتی ہوئے، یہ وہ حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور ان کا فقط ایک ہی ہدف تھا اور مقدس مقامات کو بلا تفرقی کسی مسلک کے مسامار کرنا۔ یہ ایک ایسی خطرناک فکر ہے کہ خدا شہ تھا کہ موقع ملتے ہی حرم نواسی رسول سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو نشانہ بنایا جاسکے اور اس گروہ سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ یہ کام شام میں کرے، کیونکہ ماضی قریب میں ازواجِ مطہرات، اہل بیت اطہار اور اصحابِ کرام کے مزارات اور قبور کو اسی آئندی یا لو جی کے تحت مسامار کیا جا چکا تھا۔

پاکستان میں اکثر حکومتی افراد یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ حرمین شریفین کو خطرہ ہوا تو ہم اس کے تحفظ کے لیے ہر قسم کی قربانی دیں گے، یعنی یہ دو ممالک کے تعلقات اور معابدوں کا معاملہ نہیں بلکہ تقدیسِ اسلام اور ناموسِ رسول کا مسئلہ ہے۔ پاکستان کے دو بڑے مکتب، مکتب اہل سنت اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کے ہاں روضہ رسول ﷺ، اہل بیت رسول علیہم السلام کا تحفظ، تقدیس حرم

رسول اور ان کا دفاع کرنا شریعی فریضے کے زمرے میں آتا ہے اور اسی شرعی فریضہ کو انجام دیتے ہوئے مدافعین حرم نے اسلام کی حرمت اور تقدس کی حفاظت کی۔

یہ آج تک ثابت نہیں ہے کہ پاکستان سے کوئی لشکر ایران عراق جنگ میں گیا ہوا اور کوئی شہید ہوا ہوا اور ہم اس کا یوم شہادت منتاتے ہوں، ایسی کوئی سادہ سی مثال بھی نہیں ملتی۔ اگر پاکستانی شیعہ ایرانی مفادات کے لیے کام کرتے ہوتے، اگرچہ ایران کو ایرانی ہونے کی نہیں انتقالی ہونے کی سزا تھی، پھر بھی کوئی شخص پاکستان سے ایران، عراق کی جنگ میں شامل نہیں ہوا۔ المذاہیہ بات درست نہیں ہے کہ پاکستانی شیعہ ایرانی مفادات کے لیے کام کرتے ہیں۔ شام میں الگشت شمار جوانوں کا جانا غیرت و حمیت کا معاملہ تھا۔ حرم مطہر کی حفاظت کا معاملہ تھا۔

اگر زنبیون کے شہداء کا شہادت سے پہلے ان کی زندگی میں غور و فکر کریں تو ہمیں بہت خوبصورت نکات ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر جوانوں کا شہادت سے پہلے یہ کہنا کہ امام حسینؑ نے کربلا میں هل من ناصر کا نعرہ بلند کیا تھا، اب ایسا نہ ہو کہ اس زمانے کا حسینؑ اکیارہ جائے۔ ایسا نہ ہو کہ عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب سلام اللہ علیہا اس زمانے کے یزیدیوں کے ہاتھوں دوبارہ گرفتار ہو جائیں۔ یہ بہت لطیف نکالتے ہے اور اس کی جانب ہر محب اہل بیت کو غور و فکر کرنا چاہیے۔ امام حسینؑ جانے یا کربلا کی مائن جانیں کہ کیسے اپنے جوان لعل کو تیار کر کے مقتل گاہوں میں بھیجا۔ کیسے خاک و خون میں غلطان اُن کے اجسام کے ٹکڑے دیکھے اور ان سب کے بعد زبان سے ”ما رایت الا جمیلا“ میں نے جمالِ خدا کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا۔ جیسے فقرے ادا ہوئے۔

واقعی کربلا کی ماوں کے حوصلے تھے۔ کربلا کی ماوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مدافعین حرم کے الی خانہ نے اپنے جوان سپوٹ وقت کے یزید سے لڑنے کے لیے میدان میں اتارے اور سلام ہو ان عشقان پر جو تکفیریت کے سامنے سیسیہ پلاٹی دیوار کی طرح آخری لمحے تک ڈٹے رہے اور بھرت کے تمام زخم مسکراتے ہوئے اپنے سینوں پر سجائتے رہے۔ لوگوں نے ان کو کوئی نام دیئے، طرح طرح کے

طعن دیئے، اپنے فتوویں کی فیکٹریاں ان پر کھول دیں، مگر وہ خیمہ حسینؑ کے محافظین، شانی زہراء سلام اللہ علیہما کے عباس، جو اپنے ہدف اور وظیفے سے بخوبی آگاہ تھے، اہل دل، اہل معرفت و اہل شعور تھے۔ اس چکا چوند دنیا میں مہمان کی طرح آئے، تہاء اگلے مورچوں پر ڈٹے رہے اور ہم ایک بار پھر حسرت کے ساتھ آئے کاش اے کاش کاراگ آلات پتے رہے کہ کاش مولا کربلا میں ہوتے!

نبیوں نہ صرف ہمارے لیے بلکہ اہل بیتؑ سے عشق رکھنے والے ہر باضیر انسان کے لیے قابل فخر ہیں۔ آخر کب تک ان کے بارے میں باقی کانوں میں سرگوشیوں میں کی جائیں گی؟ وہ جوان جونہ صرف اس ملت کے لیے بلکہ وطن عزیز کے لیے بھی قابلِ افتخار ہیں، جن کی مظلومیت یہ ہے کہ جن کے جسدِ پاک کو اپنے وطن نہ لایا گیا، وہ کب تک یوں ہماری بے حسی اور کوتاہ نظری کا شکار رہیں گے؟ ضروری ہے کہ ہر بار وہی بات کہی جائے جس کی سُرسامراج کو پسند ہو۔؟

نسلِ نو سے کھو بولنا چھوڑ دے

سوچنا جرم ہے سوچنا چھوڑ دے

ایسے موقعوں پر ڈاکٹر علی شریعتی کا وہ جملہ شدت سے یاد آتا ہے کہ اگر حق و باطل کے میدان میں تمہاری شرکت نہیں تو پھر جہاں چاہے رہو، نماز پڑھو یا شراب پیو، کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جب امام حسینؑ حج کو چھوڑ کر باہر نکلے تو جن لوگوں نے اپنا طواف جاری رکھا اور امامؑ کا ساتھ نہیں دیا، وہ ان لوگوں سے مختلف نہیں ہیں، جو شام کے سبز محل کے چکر لگاتے ہیں۔ آج اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ مدافعین حرم نے اپنی ذمہ داری پوری کی اور یزید وقت کو لکھا۔ اب آپ بتائیے کہ ہمارا کیا وظیفہ ہے؟ ہمیں اپنا وظیفہ خود معلوم کرنا ہے، ہمیں خود فیصلہ کرنا ہے کہ ہمیں آج کی کربلا میں کب، کہاں اور کیسے کردار ادا کرنا ہے، ورنہ ایسا نہ ہو کہ بہشتی سواری ایک دفعہ پھر آئے اور ہم دنیا کے قیدی دوبارہ یا لیتنا معکم کی گردان کرتے رہیں۔

ہم صف اول کے دعویدار تھے اور شہداء کو صفِ آخر میں سے چنانگیا (رہبر معظم)

(۱۲) اگر زینبیوں نہ ہوتے

اگر آج زینبیوں کی مدد سے دہشتگردوں کو عراق اور شام میں تکست نہ دی جاتی تو آج ان کا مقابلہ اسلام آباد، پشاور، کراچی اور لاہور کی سر زمین پر کرنے کی تیاری ہو رہی ہوتی۔ لہذا مدافعین حرم وہ حقیقی ہیر وزیں کہ جنہوں نے پوری دنیا کو اس عظیم دہشتگرد گروہ داعش سے نجات دلائی۔ کیا دنیا کو نہیں معلوم کہ یہ داعش وہی دہشتگرد گروہ ہے کہ جس نے ماڈل کے سامنے ان کی اولادوں کو ذبح کیا، کیا یہ وہی گروہ نہیں ہے جس نے انسانوں کو پانی میں ڈبو کر مارا، جس نے اتنے انسان قتل کیے کہ دریائے دجلہ کارنگ تبدیل ہو گیا، جس نے جہادا لفکاح کے نام پر دین میں بدعت ایجاد کی اور مسلمانوں کی عصمت سے کھلیئے کا بہانہ بنایا۔ ان کا کون کون سا جرم بیان کیا جائے، جس سے ان کی دہشتگردی کو ثابت کیا جائے۔

کیا آج کی دنیا کا نیا نظام دہشت گردی کے مقابلے پر جنگ کے نام پر ہی نہیں چل رہا؟ کیا آج ہمارے ملک کا پہلا سکیورٹی تحریث دہشت گردی نہیں ہے؟ اگر یہ سب درست ہے تو دہشت گردی سے مقابلے کے اصلی ہیر وزیبی جان بکف مدافعین حرم ہیں کہ جنہوں نے داعش کے جن کو کنڑوں کیا اور اس کو چاروں شانے زمین پر چلت کر دیا۔ زینبیوں وہ با بصیرت نوجوان ہیں جنہوں نے سو ایک سال کی وادیوں سے لے کر حلب کے میدانوں تک لبیک یا حسین اور لبیک یا زینب کی صدائیں بلند کرتے ہوئے تکفیریوں کو واصل جہنم کیا اور ثابت کر دیا کہ ارض پاک و طن صرف اور صرف حسینیوں کا ہے اور اسلام کا حقیقی چہرہ مسخ کرنے والے شقی القلب داعشیوں کا ٹھکانہ صرف اور صرف جہنم ہے۔

زینبیوں حقیقت میں وہ حسین نوجوان تھے، جو اپنی جوانی غاطر میں لائے بغیر حرم نواسی رسول ثانی زبراء جناب زینب سلام اللہ علیہما کے دفاع میں میدان میں حاضر ہوئے اور اسی وجہ سے ان کا شعار "کلنا عباسک یا زینب" ہے۔ داعش کے مقابلے میں کھڑے ہونے والے نوجوان وہ عظیم ہیں

الاقوامی ہیر و زہیں کہ جنہوں نے دنیا میں دہشت گردی کے خاتمے کے لیے عملی اقدام کیے اور جو حقیقی طور پر اینٹی ٹیکسٹ زم مجاہدین ہیں۔ مگر زنبیون کی مظلومیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اول تو ان کے جسید پاک کو اپنے وطن نہ لایا گیا، دوم وہ پیر و ان عباس حسینی جوان جنہوں نے اکیسویں صدی میں یزیدیت اور یہودیت دونوں کو بیک وقت شکست دی، ان پر آئے روزبے بغیاد الزامات کی بوچھاڑ کر دی جاتی ہے۔

لوگوں نے ان کو کئی نام دیئے، ان کو طعنے اور الزام دیئے، ان پر فتوے اور تمثیل باندھیں، مگر یہ منتخب شدہ لوگ تھے۔ یہ اپنے راستے اور منزل سے آگاہ تھے۔ یہ شہادت کے متنی تھے، یہ کربلاٰ تھے، یہ زینبی تھے، یہ حسینی تھے، یہ خیمه امام حسینؑ کے محاظین تھے، یہ مدافعان حرم تھے، یہ اہل دل تھے۔ اہل معرفت تھے، اہل شعور تھے، اہل درد تھے۔ اس مادی اور چاچوند دنیا میں یہ مہماں کیطر رح آئے۔ ان کا جینا اور مرننا کربلاٰ اور زینبی تھا۔ ان کی تعداد بھی اس بھری دنیا میں کچھ زیادہ نہ تھی بلکہ یہ گنچے لوگ تھے۔ شاید انگشت شمار، اس کے باوجود یزیدیوں کو ان کا کردار قبول نہ تھا۔ ہجرت کے درد سینے میں سجائے یہ مہماں کے طور پر ہی اپنے آبائی وطن سے دور پر دلحد ہوئے۔

لٹ کے آباد ہے اب تک جو وہ گھر کس کا ہے
سب سے اوپر چاہے جو کٹ کر بھی وہ سر کس کا ہے
خت و والوں نے مورخ بھی خریدے ہونگے
ذکر دنیا میں مگر شام و سحر کس کا ہے

(۱۵) داعش کا حل صرف زنبیون ہیں

آئیے جانتے ہیں کہ زنبیون اور فاطمیوں کون ہیں اور عرصہ دراز سے ترک، عرب اور پاکستانی میڈیا زنبیون کے خلاف جو پروپیگنڈہ کر رہا ہے، اس میں کتنی صداقت ہے۔ سب سے پہلا

سوال یہ کہ کیا کسی پاکستانی کا کسی دوسرے ملک جا کر جنگ لڑنا، کیا زنبیوں کوئی پہلی تنظیم ہے، جس نے یہ کام کیا ہے؟ تو اس کا جواب ہے بالکل نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی بہت سی دیوبندی، وہابی اور اہل حدیث مسلم تنظیموں نے افغانستان میں جا کر جنگ میں حصہ لیا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ زنبیوں نے جس ملک جا کر یہ کام کیا ہے، یہ اس حکومت و ریاست کی اجازت سے کیا ہے۔ لیکن جو پاکستانی افغانستان کی جنگ میں حصہ لینے لگتے تھے، وہ اس ملک کی حکومت کے خلاف جنگ لڑنے لگتے تھے۔

پاکستان سے ہزاروں افراد شام میں داعش میں بھرتی ہوئے اور ان تمام دہشت گروں کا ایک ہدف متعین تھا کہ حرم نواسی رسول جناب زینب عالیہؓ اور دیگر الہلسنت اور اہل تشیع کے مقدس مقامات کو مسماਰ کیا جائے۔ یہ وہ آئینہ یا لوگی ہے جو پاکستان سمیت دنیا بھر میں اپنے منحوس اثرات پھیلا چکی ہے۔ اسی آئینہ یا لوگی کے تحت آل سعود نے سب سے پہلے قبراطہ بنتِ مصطفیٰ جناب فاطمہ زہراءؓ کو منہدم کیا، پھر ازادِ مطہراتؓ، اہل بیت اطہار علیہم السلام اور اصحابِ کرامؓ کے مزارات اور قبور کو مسماਰ کیا اور اگرآل سعود کو امت مسلمہ کے شدید ردِ عمل کا خوف نہ ہوتا تو ان سے بعید نہیں تھا کہ یہ مسجد بنوی ملٹیلیلہمؓ کو بھی منہدم کرنے میں بھی کچھ تاخیر کرتے۔

اس دفعہ اسلام کے خلاف اسلام کے نام پر جنگ مسلط کی گئی اور بانی اسلام کے اہل بیتؓ کے مزارات اور اصحاب کی قبور کی مسماڑی کے ذریعے مسلمانوں کے مقدسات کی بے حرمتی کرتے ہوئے مسلمانوں کو دست و گریبان کرنے کی مزموں کو شش کی گئی اور سنیت کے نام پر بنائے جانے والے گروہ داعش اور جبهہ النصرہ جیسے شدت پسندوں کی آڑ میں الہلسنت کو شیعہ کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا جانے لگا، تاکہ مقابلہ میں شیعہ مسلمان جہاں کہیں اکثریت کے حامل ہیں، وہاں الہلسنت کا قتل عام کریں اور بلا د مسلمین اپنے ہی ہاتھوں تباہی کے دہانے پر جا پہنچ اور اشکنباری و سامر اجی طاقتیں اپنے نجس اہداف تک پہنچ سکیں۔

اُن سنگین حالات میں پوری دنیا سے بالصیرت اور آگاہ نوجوان اپنی دینی قیادت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر دشمن کے مقابلے میں صفات آراء ہو گئے، جن کو "مدافعین حرم" کے نام سے جانتے ہیں۔ مدافعین حرم جس ہدف کے تحت عراق اور شام میں تکفیری صحیونی داعش کے مقابلے میں کھڑے ہوئے وہ سب سے پہلے اپنی شرعی ذمہ داری کو انجام دینا تھا۔ شام میں پاکستانی شیعوں کا جانا غیرت و حیثیت کا معاملہ تھا۔ حرم مطہر کی حفاظت کا معاملہ تھا۔ پاکستان سے چند لوگ حرم جناب زینب سلام اللہ علیہا کے دفاع میں گئے تو کیا 2011ء سے اب تک پاکستان میں کوئی ایک بھی حادثہ ہوا؟ دس سالوں میں یہ لوگ ملک عزیز کے لیے تحریث بنے ہوں؟ یا ان افراد نے پاکستان میں کسی جگہ کوئی حملہ کیا ہو؟

اس طرح کی کوئی سادہ سی مثال بھی نہیں ملتی، جو ثابت کرتی ہے کہ مدافعین حرم پر لگائے گئے تمام الزامات سوائے جھوٹ کے کچھ نہیں اور یہ چند سعودی آقاوں کو خوش کرنے کے لیے شہداء مدافعین کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا رہا ہے۔ مگر دشمن جان لے کہ ہم امن پسند ہیں، لیکن مقدسات کے تحفظ کے لیے جان سے گزر جاتے ہیں، ہم دہشت گرد نہیں بلکہ اپنے نظریات اور مقدسات کے مدافعین ہیں اور ہمیں مدافعین سے عشق ہے۔ یہ نہ صرف اہل تشیع کے لیے باعث افتخار ہیں بلکہ اہل بیتؑ سے عقیدت و محبت رکھنے والے ہر باضمیر انسان کا فخر ہیں۔

قتل گاہوں سے چن کر ہمارے علم
اور نکلیں گے عشقان کے قافلے

اگر پاکستان سے کچھ لوگ حرم کے دفاع کے لیے گئے تو یہ ان کا فطری حق تھا۔ ریاست کی جانب سے فقط اس وجہ سے شیعہ نوجوانوں کو لاپتہ کر دینا کہ وہ نہیں کا حصہ بنے، کوئی جواز نہیں رکھتا۔ اگر کسی کی نظر میں وہ مجرم تھے تو انہیں پاکستانی قانون کے تحت مجرم قرار دیکر عدالت میں پیش کیا جاتا، نہ کہ یوں ہر اسال کر کے لاپتہ کر دیا جاتا، بلکہ اس کے بر عکس وہ ہزاروں لوگ جو اس

وطن عزیز سے داعش میں بھرتی ہوئے فقط پنجاب سے سامنہ ہزار لوگ داعش میں بھرتی کیے گئے، انہیں ریاست کی جانب سے تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ سانحہ مچھ میں شہید ہونے والے مزدور کان کنوں کا نہیں نہیں سے تو کوئی تعلق نہ تھا، انہیں کس جرم میں شہید کیا گیا؟ شام جانے والے پاکستانی اہل تشیع کو لے کر جانے میں کوئی تنظیم، انجمن، گروہ یا تحریک شامل نہیں تھی اور نہ ہی لوگوں کو اس عمل سے روکا جاسکتا تھا۔ لوگوں کا جانا فطری تھا۔ اب کوئی نیا شکر نہیں بننا اور نہ ہی اب کوئی شام جا رہا ہے۔ یوں ہمارے نوجوانوں کو ہر اسال کرنا اور غیر آئینی طور پر مادرائے عدالت لاپتہ کرنا بند کیا جائے۔

نہ انتقال کرو ان کا اے عزا دارو

شہید جاتے ہیں جنت کو، گھر نہیں آتے

(۱۶) جیتے رہو شبیر پر مرنے والو

مکفیہت ایک شجرہ خیشہ ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ اور مکفیہت کے مقابل آنے والے مٹھی بھر عشق کون تھے؟ آئین حقائق کی روشنی میں جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ داعش کھلانے والا ٹولہ مکفیہت کے شجرہ خیشہ کی ایک شاخ ہے، جس کا مقصد بیگنا ہوں کا خون بہانا ہے، یہ سب دنیاۓ اسلام میں سلسلہء مکفیر کے جرائم کا ایک حصہ ہے۔ مکفیری فکر پر کاربند ٹولوں کی ظاہری صورت اسلامی ہے لیکن عملی طور پر عالم اسلام کے خلاف ریشه دانیوں میں مصروف بڑی استعماری اور انتکباری قوتوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ سب سے پہلا کام جو مکفیری سوچ رکھنے والی قوتوں نے کیا، وہ پوری دنیا میں اسلام کے حقیقی چیز کو مسخ کرنا تھا۔ پوری دنیا نے ٹیلی ویرشن پر دیکھا کہ کسی فرد کو بٹھا دیتے ہیں اور اس کا سر تلوار کی ضرب مار کر بدن سے جدا کر دیتے ہیں، بغیر اس کے کہ اس کے لیے کوئی جرم معین کیا گیا ہو۔ مسلمانوں کو قتل کیا۔ ان غیر مسلمانوں کو تلوار کے سامنے میں بٹھایا جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف جاریت کا ارتکاب نہیں کیا تھا اور پوری دنیا میں ان کی تصویریں

چھیلادیں، پوری دنیا نے ان مناظر کو دیکھا۔

پوری دنیا نے دیکھا کہ ایک شخص نے مسلمان کے عنوان سے ہاتھ ایک مرے ہوئے انسان کے سینے کے اندر پینچا یا اور اس کا دل نکال کر چبایا اس کو دنیا نے دیکھا۔ یہ اسلام کے کھاتے میں آیا، رحمت کا اسلام، تعلق و تدبیر کا اسلام، منطق کا اسلام، وہ اسلام جو فرماتا ہے کہ "تمہیں اللہ ان لوگوں کے قریب جانے سے نہیں روکتا، جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی" اس اسلام کا تعارف ان لوگوں نے اس انداز سے کرایا۔ کیا ہے کوئی جرم اس سے بڑھ کر؟ ہے کوئی خبیث فتنہ اس سے بڑھ کر؟ آپ دیکھیں آج یمن کی صورت حال کو، شام کی صورت حال کو، پاکستان کی صورت حال کو؛ دیکھیں وسائل اور طاقت اور شمشیر کو جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، یہ سب کس کے خلاف استعمال ہو رہا ہے؟ یہ سب صحیونی ریاست کے خلاف استعمال ہو ناچاہیے تھا۔

تکفیری سوق نے اس جدوجہد کی سمت کو پدل کر رکھ دیا اور اس جنگ کو ہمارے گھروں کے اندر، ہمارے شہروں کے اندر اور اسلامی ممالک کے اندر لے کر آئی۔ اپنی اسی سوق کو پرواں چڑھاتے ہوئے مقدسات کی بے حرمتی اور روضہ اہل بیت اطہار کو مسماਰ کرنے کے مذموم عزادم بنائے۔ یہ سب تکفیری سوق کے ناقابل فراموش تاریخی جرائم ہیں۔ اب آئیے تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں۔ وحشی تکفیری داعشیوں کے اس بے قابو ہوتے ہجن کو اسلام کے حقیقی وارثوں نے اپنے لہو سے سینچا۔ آج جو حرم ثانی زہراءؑ کی پر امن فضاقاً مُمْ ہے، یہ انہی فرزندان اسلام کی بدولت ہے۔

جو مؤمن پر ہاتھ اٹھائے اُس کے ہاتھ کو کاٹیں گے
جو تکفیری سر کو جھکائے اُس کی گردان توڑیں گے
شام میں شیخ حسینی ہو گی قصرِ یزیدی گرا دیں گے
روضہ زینبؓ کے یہ محافظ آخری جنگ بھی جیتیں گے

شہادت شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اگر کلمہ شہادت کے باطن تک نفوذ کر جائے تو محسوس ہو گا کہ راہ خدا میں مارے جانا کتنا شیریں ہے۔ آج بھی جب حرم ثانی زہراءؓ کی فضاء کا سکون یاد آتا ہے، دل بے چین ہو جاتا ہے۔ وہ سکون جسے شہداء نے اپنی جانیں قربان کر کے برقرار رکھا۔ جسے وقت پڑنے پر "یتنی معکم" کے عملی مرتعوں نے اپنے لہو سے سینچا۔ جب تک یہ حرم باقی ہے، ان شہید مجاہدین کا وجود باقی ہے۔ یہ دریا خود کو فنا کر کے سمندر میں اتر گئے۔ یہ وہ تھے جو شریکت الحسینؑ جیسے آفتاب کی کرنیں بن گئے، جن کا شعار "کلنا عباسک یا زینب" تھا۔ ان کا ہر اُس شخص پر حق بھی ہے اور احسان بھی، جس کا دل زینبؑ عالیہ کے نام پر معموم اور آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ ہیں جنہیں اس باپ نے اپنے ہاتھوں سے سیراب کیا جس کی زینت کا نام زینب سلام اللہ علیہا ہے۔ خوشحال کہ تم جو وعدہ کیا تھا نہ گئے۔ رسولؐ تم سے راضی، بتولؐ تم سے راضی، خدا تم سے راضی۔

اے عشقانے شہید ان را ہدوفا

اے محفوظین حرم ثانی زہراءؓ

اے عاشقانے شہادت

تمہاری شجاعت کو سلام

اس طرح راہ سیدہؓ میں سر کٹائے جانے کو سلام

اپنا مختصر سارہ مایہ دے کر تم نے حیاتِ ابدی کا سودا کیا اور یقیناً اس آیت کا مصدق قرار پائے، "مَوْتٌ مِّنْ مَّا مِنْ اِلَّا لَوْكَ مُوْجُودٌ ہیں، جنہوں سے اللہ سے کیسے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا، ان میں سے بعض نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا اور ان میں سے بعض انتظار کر رہے ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بد لے۔" شہید واقعی زمین پر ہوتے ہوئے آسمان کا رہا کئی ہوتا ہے۔ پرواز کرتا ہوا براستہ شہادت القاء اللہ کو پہنچ جاتا ہے۔ ہم خدا کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف پہنچنا ہے۔ لیکن معشوق کی راہ میں جان دینا کتنا حسین اور لذت بخش احساس ہے اور شہداء نے اس احساس کو تقریب سے محسوس کیا۔ وہ

آئے اور سارے وعدے و فاکر گئے اور ہم ان کے حق میں دولظ بولنے سے بھی کتراتے ہیں۔ یوں کہا جائے کہ ہم محسن شناس نہیں بلکہ احسان فراموش ہیں تو غلط نہ ہو گا۔

(۱۷) جو وعدہ کیا تھے نجاح کئے

لکھنے والے ہمیشہ سے ہی مختلف حادث و واقعات کے بارے میں لکھتے رہتے ہیں، لیکن ہر زمانہ میں ایسے عنوان پر لکھنا کہ جو اس زمانے کے یزید و شمر اور اس زمانے کے طاغوت کے مقابلے میں ہو، وہ دشوار ہی رہا ہے۔ آج بھی شرق و غرب کے بارے میں بہت کچھ کہا جاتا ہے، وہاں اس دور کے پیروانِ کربلا اور عزادارانِ حقیقی امام حسینؑ "یعنی" مدافعین حرم اہل بیت علیہ السلام" کے بارے میں زبانیں بند رہتی ہیں اور صدائیں اپنے خارج میں دبادی جاتی ہیں اور اگر کوئی آواز اٹھتی بھی ہے تو وہ اسی ترجم میں ہوتی ہے کہ جو دشمن چاہتا ہے اور جس کی سُرسما راجح کو پسند ہے۔ مدافعین حرم جنہیں فلاں پر وجیکٹ کے لیے خطرہ اور کبھی سکیورٹی کے لیے تحریٹ کے نام سے جانا جاتا ہے، حقیقت میں وہ پوری دنیا کو وحشی تکفیری داعشیوں کے سکیورٹی تحریٹ سے نجات دلانے والے ہیں وہیں۔
 یاد رہے یہ کوئی عراق و شام کی داعش نہیں ہے بلکہ پاکستان کے تکفیری دہشتگرد گروہ ہیں، جنہوں نے پہلے بھی مکتبِ اہل بیت کے ماننے والوں کا ناحن خون بھایا تھا اور اب یہی تکفیری ناصیب گروہ سیاست کرتے ہوئے اپنا نام تبدیل کر کے اپنے مخالفین بالخصوص محبانِ اہل بیت کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ داعش سپاہ صحابہ، لشکر جہنگوی، طالبان، جماعت الاحرار، جیش العدل اور باقی خوارج دہشتگرد گروہوں کی ایک ملی بھگت سے بنائی گئی تنظیم ہے، جس کا مقصد فقط خون کی ندیاں بہانا ہے اور یہ حقیقت پاکستان کے ہر عاشقِ اہل بیت کو سمجھ لینی چاہیے کہ یہ تمام تکفیری گروہ داعش ہی ہیں۔ ان کے ناموں سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، یہ خوارج ہیں، ان کے خلاف جہاد کرناسنت پیغمبرِ اسلام ﷺ اور سنتِ امام علی علیہ السلام ہے۔

ہم ملتِ شہادت ہیں
 ہم ملت امام حسینؑ ہیں
 جاؤ جا کر پوچھو تاریخ سے
 ہم سخت حالات سے گزر کر آئے ہیں
 آؤ ہم منتظر ہیں
 تمہارے لئے اس میدان میں
 مرد میدان ہم ہیں
 اگر مدافعین حرم نہ ہوتے؟

ایک لمحے کے لیے فرض کیجیے کہ اگر زنبیوں و فاطمیوں و دیگر مدافعین حرم اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے اپنی جانیں حرم عقیلہ بنی ہاشمؑ کی حفاظت کے لیے وقف نہ کرتے تو کیا ہوتا؟ اگر زنبیوں اپنی جانیں قربان نہ کرتے تو آج ہم یہ جنگ کراچی اور اسلام آباد کی سڑکوں پر لڑ رہے ہوتے اور عراق و شام میں داعش و دیگر شدت پسند گروہوں کے مسلط ہونے پر ان استکباری و سامراجی قوتوں کو اس خطہ میں اپنی جڑیں نہ صرف مضبوط کرنے کا بہانہ ملتا بلکہ یہ سازش اسرائیل کے وجود کے لیے سب سے خطرناک نیٹ ورک "مقاومتِ اسلامی" کو توڑنے کا بہترین طریقہ ثابت ہوتی۔ مگر سلام ہو ان مٹھی بھر غشاق پر جو سرکف اپنی جانوں کی پرداہ کیے بغیر اپنے وعدے نبھا گئے اور ہم "یالیتنا کنا معکم" کہتے رہ گئے۔

اے انصار الحسینؑ! آج زمانے کے حسینؑ کی مدد کا دن ہے۔ "هل مناصر ينصرنا" کی صدا آج بھی ہر سو فضا میں گونج رہی ہے۔ اگر آج اس میدان میں ہمارے قدم لٹکھڑا گئے تو دشمن ہمارے شہداء کی لاشوں پر قدم رکھے گا اور گھوڑوں کے ساتھ نہیں بلکہ ٹینکوں کے ذریعے ہمارے

شہداء کے ٹکڑے ٹکڑے جسموں کو پامال کر دے گا۔ آج صرف ہم ہیں اور ہمارا خدا۔ اگر آج ہم نے ایک لمحے کے لیے بھی غفلت کی تو شہداء کا پاک لہو پامال ہو جائے گا۔ شہادت ہمارا افتخار ہے۔ ہم حسینی ہیں اور ہمارا نظریہ یہ ہے کہ:

جو حسینی ہے اور موت سے بھی ڈرتا ہے
ہاں وہ توپین حسینؑ ابن علیؑ کرتا ہے

شہادت کا جذبہ اور اس کا عشق بہت ہی کم لوگوں کو عطا ہوتا ہے۔ کل یوم عاشورا و کل ارض کربلا کی صدر آج بھی فضای میں قائم ہے۔ جوراہ زنبیوں، فالصیوں و دیگر مدافعین حرم نے چُنی وہ کس قدر دشوار تھی۔ شہداء ہم سے سوال کر رہے ہیں کہ ہم نے آج کی کربلا میں کیا کردار ادا کیا؟ ہم نے اپنے کتنے امور کو رضاۓ الٰہی کے لیے انعام دیئے؟ دفاع کا اہم ترین پہلو دشمن شناسی ہے کہ جو ولائی بصیرت سے حاصل ہوتی ہے۔ مدافعین حرم اس بات کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے کہ جب وہ تکفیریوں کے مقابل ہوتے تو انہیں کامل تیقین ہوتا تھا کہ یہ یہود کے آلہ کار اور حقیقی اسلام کے دشمن ہیں اور یہ مجاهدین اسی نیت سے ان پر حملہ آور ہوتے اور انہیں شکست دیتے تھے۔ آج ہم خود سے سوال کریں کہ ہم نے دشمن شناسی کے لیے اپنی بصیرت میں کتنا اضافہ کیا؟ کتنے اقدامات حقیقی اسلام کو پہچاننے کے لیے کیے؟ اتحاد بین المسلمين کی کاؤشوں میں کتنی خدمات انعام دیں؟ شہداء کے افکار و نظریات سے قوم کے کتنے افراد کو اگاہ کیا۔

(۱۸) ہم شاہ پر مر گئے ہیں لیکن خیریت سے ہیں

جب جب یہ خبر سننے کو ملتی ہے کہ داعشی تکفیری دہشت گرد ایک بار پھر مظلوم ہو رہے ہیں، نجات کیوں وہ مٹھی بھر عشق و شدت سے یاد آتے ہیں، جنہوں نے اپنے لہو سے داعش جیسے تکفیری خونخوار بھیڑیوں کو قابو کیا۔ وطن عزیز پاکستان سے ہزاروں افراد شام میں داعش میں

بھرتی کیے گئے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق فقط پنجاب سے ساٹھ ہزار افراد داعش کا حصہ بنے۔ ان تمام افراد کا ہدف ایک ہی تھا یعنی مقدس مقامات کو مسماਰ کرنا۔ اس آئینہ یاوجی کے مطابق سب سے پہلے آل سعود نے جنت البقیع میں روضہ سیدۃ النساء العالمین جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کو مسمار کیا اور اگرامت کی طرف سے شدید رد عمل کا خوف نہ ہوتا تو عین ممکن تھا کہ مسجد نبوی کو بھی منہدم کر دیا جاتا۔

یزید جو اکٹھ بھری میں فرزندِ رسول کے مقابل آیا تھا، آج ایک بار پھر اپنی نئی شکل کے ساتھ سامنے آن کھڑا ہوا ہے، بس فرق یہ ہے کہ اس نے اپنानام داعش رکھ لیا ہے اور وہ علی اعلان کہہ رہا ہے کہ وہ اسلامی خلافت کا وارث ہے اور وہ اپنی خلافت اور طاقت کے بل بوتے پر دنیا بھر سے ملنے والی مراجعات پر اتراتے ہوئے، اپنے اسلاف کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کربلا کامیدان سجنے والوں کی قبریں اکھڑا دے گا۔ گویا ایک بار پھر خانوادہ نبوت و رسالت کی مقدس ہستیوں کو تہہ تنخ کر کے ان کے الہی بیت کو اسیر کر لے گا۔ وہ مسجد کے محراب میں کھڑا ہوا چلتا ہے، چلاتا ہے، چنگھاڑتا ہے کہ وہ ایسا کرے گا۔ پھر اکٹھ بھری کی طرح فتوے باز قاضی شریح کی نسل والے اسے فتوے بھی جاری کرتے ہیں، اسے کھلی چھٹی بھی دی جاتی ہے اور ہر قسم کی مالی امداد کی یقین دہانی بھی کروائی جاتی ہے۔

ایسے میں کچھ درد دل رکھنے والے پاک طینت جوان آگے بڑھے، جنہیں ہم مدافعین حرم کے نام سے جانتے ہیں، انہوں نے پوری دنیا کو داعش کے منہوس اثرات اور مقاصد سے پاک کیا۔ یہ وہ دیوانے تھے جو چراغِ ہدایت پر نچاہر ہونے کے لیے منڈلاتے رہے، خوشبو کو پاتے پاتے اپنے محبوب اور مقدس مقام پر پہنچ گئے۔ مدافعان حرم ہم ہی میں سے تھے، ہمارے ہی گرد و پیش میں ہوتے تھے مگر یہ بات طے ہے کہ وہ لوگ سبک رفتار تھے، ہم سے تیز چلنے والے تھے، ہم سے آگے بڑھنے والے تھے اور یہ ہم سے آگے بڑھ گئے، ہم ایک بار پھر اے کاش کہتے رہ گئے اور وہ

تھا بھرت کے زخم سجائے سارے وعدے وفا کر گئے۔

جب تک دنیا باقی ہے تم زندہ ہو
اے میرے وطن کے شہزادو، تم زندہ ہو
خوشبو کے روپ میں اے پھولوں تم زندہ ہو
تم زندہ ہو، تم زندہ ہو

وہ عاشقانِ خدامِ افغان حرم جنہوں نے اپنے لیے سرخ موت کو چنان تاکہ ہمیں سیاہ موت کے دیوانوں سے بچا سکیں۔ وہ اپنے خون کے ہر قطرے سے اسلام کو زندگی بخشتے، تاریخ کو طیش میں لاتے، زمانے کے مردہ اور بے جان ڈھانچے میں گرمی حیات پیدا کرتے اور بھرت کے تمام زخم اپنے سینوں میں سجائے خوشی سے شہادت کو گلے لگاتے اس دنیا سے روانہ ہو گئے اور ہم آج تک نام نہادِ مصلحت کی سیاہ قباق اور ٹھیک سادھے بیٹھے ہیں۔

اپنے ہی وطن میں یہاں مکحوم ہیں ہم تو
اپنی ہی سر زمین پر مظلوم ہیں ہم تو
ظلم و ستم کی انتہاء ظالم نے یہاں کی
خبر ہیں وہ ظالم مگر حلقوم ہیں ہم تو

اے مدافع ان حرم ہماری ملت، ہمارا ایمان، ہماری تاریخ آپ اور آپ کے پاکیزہ لہو کی محتاج ہے۔ فقہ باحدا جو کام آپ نے اپنے پاکیزہ لہو سے کیا، ہم قیامت تک اُس کے مقروض ہیں۔ مثلی اکبر و قاسم آپ نے ثالثی زہراء سلام اللہ علیہا کے حرم پر آنحضرت نے دی اور یزیدیت کو دکھادیا کہ جب تک بی بی کے عباس زندہ ہیں، دشمن کو ہر گز اجازت نہ دیں گے کہ وہ حرم ثالثی زہراء کو میلی آنکھ سے دیکھے۔ سیرت علی اکبر پر عمل کرتے ہوئے آپ نے وقت کے شر کے غلاف جہاد کیا اور آسمانی رمزیں پاکر بخوشی مٹی میں اتر گئے۔ آج کے حسین کو بھی ایسے ہی نیک طینت، زندہ دل اور پاکیزہ

نوجوانوں کی ضرورت ہے، جو ظہورِ قائم آل محمد کے لیے زینہ سازی کریں اور مدافعین حرم کی طرح اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے وقت کے یزید و شمر کے خلاف جہاد کریں۔

خدار حمت کند این عاشقان پاک طینت را

یہ مٹھی بھر عشق جو آئے اور ہجرت کے سارے زخم اپنے سینوں پہ سجا کر چلے گئے، نہ ان کی کروڑوں کی مراعات تھی، نہ ان کی اولادیں دوسرا ملکوں میں زیر تعلیم تھیں، یہ اگلے مورچوں میں تہماں تکفیریت سے لڑتے رہے، جانتے تھے کہ جس راہ کا انتخاب کیا ہے، وہاں شہادت حتمی ہے۔
معشوّق کی راہ میں جان دینے کی تڑپ انہیں ایک پل بھی آرام سے بیٹھنے نہ دیتی تھی۔

یہ آئے اور عہد نبھا گئے

یہ زمین پر بیٹھ کر کھاتے

زمیں پر سو جاتے

یہ بو ترابی تھے

کر بلائی تھے

زینبی تھے

حسینی تھے

شہادت کے عاشق

خیمه حسین کے مخالفین

جو مٹی سے اٹھے

آسمانی رمزیں پا کر

مٹی میں اتر گئے

اور ہم نادان، احسان فراموش

ان کے حق میں دونظبو لئے سے بھی ڈرتے ہیں
ہم محسن شناس نہیں بلکہ
احسان فراموش ہیں

(۱۹) اس سے پہلے کہ کربلا برپا ہو جائے !!

مدافعین حرم یعنی وہ مٹھی بھر عاشقان خدا و اہل بیت علیہم السلام جنہوں نے آج کی کربلا میں "کلننا عباسک یا زینب" کا نعرہ بلند کیا اور حرم آل رسول کا دفاع کیا۔ مدافعین حرم یعنی غیرت مند جوان جنہوں نے تحریک زینبی کی اپنے خون سے آبیاری کی اور دشمن کو پیغام دیا کہ اگر کوئی یزیدی، حرم سیدہ زینب سلام اللہ علیہما کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے گا تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ جب تک تحریک زینبی ہے، اس وقت تک حسینیت کا نام باقی ہے، انسانیت باقی ہے، یہ وہ مٹھی بھر عاشق تھے، جو اپنے ہدف اور وظیفہ سے بخوبی آگاہ تھے۔ شہادت کے متنی اور اپنی جانوں کو حرم رسول کی حفاظت کے لیے قربان کر دینے والے، پاک طینت جوان۔ ہم جب آج تکرار کے ساتھ فلسفہ شہادت اور مدافعین حرم کا نذ کرہ کرتے ہیں تو بعض احباب ناراضگی کا بر ملا اظہار کرتے ہیں کہ بھلا آج کے دور میں شہادت اور شہداء زینبیوں کا ذکر تکرار کے ساتھ کیوں کیا جا رہا ہے؟ بھلا اب کوئی کربلا برپا ہے۔؟

یہ وہی روشن فکر لوگ ہیں، جن کے مطابق کربلا میں سن اکٹھ بھری کا ایک سانحہ تھا، ایسا معرکہ جس میں حسین ابن علی علیہ السلام مع دوست و رفقاء شہید کر دیئے جاتے ہیں اور اب میں ہمیں اپنی ساری زندگی امام عالی مقام کی مظلومیت پر روتے ہوئے گزارنی ہے۔ ان کی نظر میں امام ایک مظلوم اور لاچار شخصیت ہیں، جنہیں بغیر آب و غذا کے چنگل بیان میں اعوان و انصار کے ساتھ شہید کر دیا جاتا ہے اور اب ہمارا وظیفہ ساری زندگی حسین علیہ السلام پر آنسو بہانا،

سبیل لگانا، لنگرو نیاز کا اہتمام کرنا اور پھر اگلے برس محرم کا انتظار کرنا، تاکہ یہی امور تکرار کے ساتھ انجام دیں سکیں۔ امام عالی مقام علیہ السلام کے درس حریت، درس شہادت اور درس رضاۓ اللہ کو سراسر فراموش کر دیں، کیونکہ کربلا آپ کو صرف گریہ زاری اور آہ و بکاہ کے لیے سنائی گئی تھی۔

وقت عصر امام کی صدائے "هل من الناصر ينصرنا" کسی اور قوم کو جھنجھوڑنے کے لیے تھی نہ کہ قیامت تک کے حریت پسند انسان کے لیے اور صدائے خیمہ زینبی سے معصوم بچوں کی العطش کی صد افقط اس دور کے لیے تھی، بس اب آپ کا وظیفہ چند آنسو اور نیاز کھانے اور رکھلانے تک ہے؟ کل شب جب شہداء نبیوں کے شہید شاہد حسین کی والدہ کے انتقال کی خبر سنی تو کئی دیقیقے جہاں شہداء نبیوں کی مظلومیت پر سوچتے گزرے، وہیں اپنی بے حسی اور نہاد مصلحت پر خون کے آنسو رونا بھی آیا۔ خیمہ زینبی کے یہ نگہبان، یہ درس دیتے دکھائی دیتے ہیں کہ خود کو عاشق کہہ لینا بہت آسان ہے اور عاشق بن کر دکھانا بہت مشکل ہے۔ شہادت آسانی سے اور اتفاق سے نہیں ملتی بلکہ یہ مانند رزق ہے، جو کمایا جاتا ہے۔ شہادت سے پہلے خود کو شہید کرنا پڑتا ہے، یعنی نفسانی خواہشات سے کنارہ کشی، دنیاوی لذتوں سے دوری، تاکہ خود کو دنیاوی بو سے دور کیا جائے اور کردار میں شہادت کی بوجپیدا ہو۔

"شہداء سو نگھتے ہیں، اگر تم سے دنیا کی بوآتی ہیں تو تمہیں چھوڑ جاتے ہیں۔"

شہید زاہد حسین کی ماں (وہ ماں جو کربلائی ماں تھی) نے اپنے بیٹے کی ایسی تربیت کی کہ وہ نگہبان خیمہ زینبی بن گئے، اس کربلائی ماں نے بیٹے کو عاشق بنادیا اور اس عاشق کو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے چن لیا اور زاہد پھر زاہد نہیں رہے بلکہ شہید زاہد حسین مدافع حرم زینب سلام اللہ علیہا بن گئے۔ ایسی ماں کی عظمتوں کو ہمارا سلام جنہوں نے راہ حق پر اپنے لخت جگر قربان کر دیئے اور خود ان کے فراق میں صبر کرتی رہیں اور پھر خدا نے اس فراق کو ختم کر دیا، ماں بیٹے سے ملنے

چلی گئی۔!! ایسی ہزاروں مائیں ہیں، جنہوں نے اپنے لال سیدہ سلام اللہ علیہا کے حرم کی حفاظت کے لیے بھیجے۔

ایک طویل فہرست جن کے نام ہمارے پاس موجود ہیں، مگر ایسے ہزاروں پاک طینت عاشقان خدا ہیں، جن کے مرقد صرف جناب سیدہ جانتی ہیں اور انہوں نے گناہ کی سند شب کی تاریکی میں سیدہ سے توسل کر کے حاصل کی ہے۔

خیمہ زینبی کے یہ شہداء ولایت کے محافظ ہیں۔ ہر عاشق اہل بیت ان کا مقرر و ضم ہے اور ہر محفل میں ان کا تذکرہ کرنا واجب ہے۔ مقامات مقدسات کی حفاظت ہمارا شرعی وظیفہ ہے اور ہمیں کسی سے اجازت کی ضرورت نہیں۔ یہ پاک طینت جوان ہر یزیدی کو یہ پیغام دیتے دکھائی دے رہے ہیں کہ ہم اپنے مقدسات کا تحفظ کرنا جانتے ہیں اور کسی کو اجازت نہیں دیں گے کہ وہ حرم سیدہ گو میلی آنکھ سے دیکھے، ابھی ان کے عباس زندہ ہیں۔ مکتب اہل بیت کو یہ افتخار حاصل ہے کہ اس ملت کے پاس مولا امام حسین علیہ السلام اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے غلام زندہ ہیں، جو وقت کے ہر اک یزید کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتے ہیں: ”دُلْت ہم سے دور ہے۔“

ہم میں حیدر کی طاقت ہے

ہم میں شیر کی طاقت ہے

ہم میں اکبر کی طاقت ہے

ہم میں اصغر کی طاقت ہے

مُت ہم کوڑا وَ طاقت سے

مرنا جینا ہے عزت سے

ہم دور بہت ہیں ذلت سے

ہیهات من الذلة

(۲۰) مدافعین حرم اور 6MI کے چیلے

کلنا عباسک یا زینب، یعنی پاک طینت جوانوں کا اس دور کی پست ترین مخلوق کے خلاف نعرہ مقاومت بلند کرنا، یعنی یزید وقت کے خلاف ڈٹ جانا، یعنی اس دور کے شمر و عمر سعد جیسے بدجنت ترین لوگوں کے خلاف علم جہاد بلند کرنا اور جان ہتھیلو پر رکھ کر یزید عصر کو لالکارنا کہ کربلا کا معرکہ اب دوبارہ نہیں دہرا یا جائے گا، بی بی زینب سلام اللہ علیہا و سری مرتبہ قید نہیں ہو سکتیں۔ یہ داستان ہے اُن انگشت شمار حسینی جوانوں کی کہ جن پر حملہ آر ہونے کے لیے پوری دنیا سے وحشی درندے جمع کیے گئے، تاکہ وہ اپنی یزید یت کا اظہار بر ملا کر سکیں۔ ان پاک طینت شب زندہ دار کربلا کی جوانوں پر داعش جیسے خونخوار بھیڑیے چھوڑے گئے، تاکہ وہ اپنی سفاکیت، دہشت گردی، خون کی پیاس، انسانوں کو چیڑھوں میں بدل دینے کے انداز اور طریقے ظاہر کر کے اطف اندو زہوں۔

حرم ثانی زہراء سلام اللہ علیہا کو ختم کرنے کا خواب لے کر یہ وحشی آگے بڑھے، مگر ایسے میں ہی کچھ درد دل رکھنے والے حسینی جوان قدم بڑھاتے ہیں، چراغِ ہدایت پہ نچحاور ہونے کی تڑپ اور اپنے محبوب کی خوشبو کو پاتے پاتے حرم مقدس کے دفاع کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو یزید یت کا علم بلند کر کے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو ایک بار پھر اسیر کرنا چاہتے تھے، ان کے ہاتھوں کو توڑ دینے کا عدم کرتے ہوئے، بھرت کے درد سینے میں سجائے یہ جوان اپنی امتحان گاہ پہنچ گئے۔ لوگوں نے ان کو کئی نام دیئے، اپنے فتوؤں کی فیکر یاں کھوں دیں، مگر یہ منتخب شدہ لوگ اپنے ہدف سے آگاہ تھے، حقیقی کربلا کی اور شہادت کے متنہی تھے۔

آج جب کچھ لوگ ممبر حسینی سے ان پر ہرزہ سرائی کرتے ہیں تو دل پھٹ جاتا ہے۔ جو کوئی بھی ان پاکیزہ جوانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کر رہے ہیں، وہ درحقیقت 6MI کے چیلے ہیں، انہوں نے دنیا کے بد لے اپنی آخرت بر باد کر رکھی ہے۔ مدافعین حرم نے دنیا کو پاؤں تلے رومند اور یزید عصر

کے خلاف نکل پڑے۔ مدافعین حرم پر ہرزہ سراہی وہی لوگ کرتے ہیں، جو عصرِ حاضر کے یزید کے سامنے ڈٹ جانے سے ڈرتے ہیں۔ کہیں ہمارا شمار ان سادہ لوحِ موسیٰ اشعری جیسے لوگوں میں نہ ہو، جو تھوڑی سی عزت و توقیر کے عوض بآسانی کسی ابنِ عاص کے دھوکے میں آ جاتے ہیں اور وقت کے امام کو تھا کر دیتے ہیں۔

پس جو یہ عبا قبا پہن کر بظاہر تقویٰ کی ردا اوڑھ کر مدافعین حرم پر اپنے فتوؤں کی فیکریاں کھولتے ہیں، ان سے محاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ممبرِ حسین پر کوئی بھی آپ کے سامنے ولایت کے محافظین پر کچھ بھی کہہ جائے اور ہم اپنے لب سی لیں، بخدا یہ پستی کی علامت ہے۔ ہم حریت کے راستے پر گامزن رہیں گے، ان پاک جوانوں کے مقابل کوئی بھی سقیفائی آئے گا، ہم اسے پچھاڑ دیں گے۔ مدافعین درحقیقت حق و صداقت، آزادی و حریت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان قربانی تھی، جو ان پاک طلیت جوانوں نے کلنا عباسک یا زینب کا شعار بلند کرتے ہوئے دی؛ تاکہ پیر وانِ اسلام ولایت کے لیے ایک اسوہ حسنہ پیش کریں اور حق و ثبات واستقامت کی کامل ترین مثال کو سامنے لایا جائے۔

نبیوں نہ صرف ہمارا بلکہ ہر عاشقِ اہل بیت علیہ السلام کا فتحار ہیں۔ جو مدافعین حرم پر ہرزہ سراہی سن کر خاموش رہتے ہیں، ان کو روناچاہیے اور جوروتے ہیں، ان کو رو نے پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے سامنے خیمه زینب سلام اللہ علیہا کے محافظین نے اپنی قربانی کا اسوہ حسنہ پیش کر دیا ہے اور کسی روح کے لیے ہر گز جائز نہیں ہے کہ محبتِ ثانی زہراء سلام اللہ علیہا کی مدعا ہو، جب تک کہ مدافعین حرم کی متابعت کا اپنے اعمال کے اندر سے ثبوت نہ دے۔ دنیا کی ہر چیز مر جاتی ہے کہ فانی ہے، مگر خونِ شہادت کے ان قطروں کے لیے، جو اپنے اندر حیاتِ الہیہ کی روح رکھتے ہیں، کبھی بھی فنا نہیں ہیں۔ آج بھی دنیا میں بعض ایسے لوگ موجود ہیں، جو شہداء زینبیوں سے نہ صرف عشق رکھتے ہیں بلکہ ہر لحظہ ان سے متسلٰ ہوتے ہیں اور یہ شہداء ولایت انہیں جواب بھی دیتے ہیں۔

میں نے ذاتی طور پر مدافعینِ حرم کی عنایات کا مشاہدہ کیا ہے، کجا اس کے کہ اس موضوع پر لکھنے پر بہت سے احباب ناراض ہوئے، رابطہ منقطع کیے، طعن و تشنیع سے نوازا گیا، مفید نام نہاد مصلحت کے مشورے دیئے گئے مگر ہر قدم پر شہداء کی عنایات اور نظر کرم کا بغور مشاہدہ کیا۔ یوں کہوں کہ مدافعین کی بہت ساری تحدیر خود شہداء نبیوں نے مجھ حقیر سے لکھوا ہیں تو مبالغہ نہ ہو گا۔ مدافعینِ حرم نے اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے خونخوار داعش کے خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی اور یہ اعلان کیا کہ یا زینب ابھی آپ کے عباس زندہ ہیں، کسی کو حق نہ دیں گے کہ وہ آپ کے حرم کو میلی آنکھ سے دیکھے۔ یہ اگثشت شمار حسینی جوان تھے، اس کے باوجود یزید یوں کو ان کا کردار قبول نہ تھا، بھرت کے درد سینے میں سجائے یہ مہمان کے طور پر اپنے خون کا ہدیہ پیش کرتے رہے اور مہمان کے طور پر ہی اپنے آبائی وطن سے دور پر دلخود ہوئے۔

مدافعینِ حرم ہم ہی میں سے تھے، انہوں نے اپنے پاک لہو کا نذر انہیں پیش کر کے پیغام دیا کہ ہر آنے والے ہر کے لیے راستہ کھلا ہے، مگر یہ بات ہے کہ یہ سبک رفتار تھے، ہم سے تیز چلنے والے تھے، ہم سے آگے بڑھ گئے، ہم ایک بار پھر حسرت سے یا لیتنا معکم کہتے رہ گئے، ہم سوچتے رہ گئے اور بروقت فیصلہ کرنے سے قاصر ہے اور مدافعینِ حرم کا اعزاز ان کے حصے میں آیا، جو اس کے اصل حقدار تھے۔ پس یہ نمونہ تعلیم کرتا ہے کہ ہر ظالمانہ اور جا براہ حکومت کا اعلانیہ مقابلہ کرو اور کسی سامراج کی اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو، جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت و حقوق کی غار بیگر ہو۔

نبیوں کی جرات پر راضی ہے علی راضی زہراء
ہو آغازِ ظہورِ مهدی علیہ السلام اٹھے غیبت کا پرده
زینب سلام اللہ علیہا کے روپے کے محافظ کا جس دم بھی خون بہا
ہاتھ بند ہے تھے جس بی بی کے دل سے اُس نے دی ہے دعا

انا	زینبیون	انا	فاطمیون
انا	حیدریون	انا	حزب اللہ
هم	الغالبیون		

(۲۱) آؤ مکتب حسینی کا ساتھ دو!

تکفیریت ایک شجرہ خبیثہ ہے اور داعش کہلانے والا ٹولہ تکفیر کے شجرہ خبیثہ کی ایک شاخ ہے۔ آج ایک بار بھر ایک منظم سازش کے تحت وطن عزیز میں اس تکفیری فکر کو پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ تکفیری فکر پر کار بند ٹلوں کی ظاہری صورت اسلامی ہے، لیکن عملی طور پر عالم اسلام کے خلاف ریشه دو ائمیوں میں مصروف بڑی استعماری اور استکباری قوتوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ تکفیری ٹولے اور ان کی حمایت کرنے والی حکومتیں، مکمل طور پر استکبار اور صحیونیت کی نیابت اور منصوبوں کے مطابق کام کر رہی ہیں۔ ان کا کام امریکہ اور یورپ کی استعماری حکومتوں نیز غاصب صحیونی ریاست کے مفاد کے مطابق ہے۔ تکفیریوں نے پوری دنیا میں مسلم نوجوانوں کا جوش و جذبہ مخرف کر کے رکھ دیا۔ آج پوری اسلامی دنیا کے مسلمان جوش اور جذبے کے حامل ہیں۔ اسلامی بیداری نے انہیں متاثر کیا، وہ تیار ہیں کہ اسلام کے بڑے مقاصد کے حصول کے لیے کردار ادا کریں (لیکن) اس تکفیری سوچ نے اس جوش و جذبے کو مخرف کر دیا اور بے خبر اور جاہل جوانوں کی ایک جماعت کو مسلمانوں کے سر کاٹنے اور معصوم بچوں اور خواتین کے قتل عام کی طرف لے گئی۔

یہ تکفیری سوچ اور تکفیر کے پیروکاروں کے جرائم اور گناہوں میں سے ایک ہے۔ تکفیری فکر اسلامی بیداری کے سلسلے کو مخرف کرنے میں کامیاب ہوئی، اسلامی بیداری کی تحریک امریکہ خلاف، استبداد خلاف اور علاقت میں امریکہ کے کٹھ پتیلی حکمرانوں کے خلاف تحریک تھی، یہ ایک ایسی تحریک تھی، جو شمالی افریقہ میں عام لوگوں کی طرف سے استکبار اور امریکہ کے خلاف شروع

ہوئی، تکفیری سوچ نے انتکبار، امریکہ اور استبداد کے خلاف شروع ہونے والی اس عظیم تحریک کا رخ موڑ دیا اور اس کو مسلمانوں کے درمیان جنگ اور برادر کشی میں تبدیل کر دیا۔ آپ آج ملاحظہ کیجیے کہ آپ کے وطن عزیز میں تفرقہ اور عدم برداشت کی کیسی فضاء قائم کی گئی ہے، کیا یہ حالات مستقبل میں کسی بڑے سانحہ کی طرف نشاندہی نہیں کرتے؟

تکفیری انتکبار کی خدمت میں مگن ہیں اور ہم خیال دنیا میں سب اچھا ہو جائے گا کاراگ آلا پر رہے ہیں۔ اتحاد بین المسلمين کے لیے سالوں سے کی گئی کاؤشیں ایک طرف اور ایک تکفیری پروپیگنڈا ایک طرف، ہر سال ایام عزاداء میں ایک مخصوص سازش کے تحت ملک کا امن و امان خراب کیا جاتا ہے اور ہم سب بھتی گنگا میں ہاتھ ڈالنے کو تیار کھڑے ہوتے ہیں۔ تکفیری فتنے کے احیاء میں امریکہ، برطانیہ اور صہیونی ریاست کے خفیہ اداروں کا کیا کردار ہے؟ ان حقائق سے ہم سب کو آگاہ ہونا چاہیے۔ سب کو علم ہونا چاہیے کہ صہیونی ریاست کے خفیہ ادارے اس تکفیری فکر کو پرواں چڑھانے میں دن رات مصروف عمل ہیں۔ منصوبہ اور نقشہ ان کا ہے، حمایت ان کی طرف سے ہے، بیسہ ان کی کٹھ پتلی حکومتوں کی طرف سے آرہا ہے اور مقصد پوری دنیا میں خالص اسلام محمدی کے اصل چہرے کو بگاڑنا ہے۔ اسلام کو تشدد پسند دین بنا کر مسلمانوں کو آپس میں دست و گریبان کرنا ہے۔

اب ان حالات میں ہماری کیا ذمہ داری ہے؟ یہ سوال غور طلب ہے۔ ہم جب کہتے ہیں کہ داعش اور تکفیریت کا حل فقط نہیں ہیں تو جو باحاجا موشی اختیار کرنے کو کہا جاتا ہے۔ مصلحت کے بھاشن سنائے جاتے ہیں اور ایسی باتیں چار دیواری میں کہہ جانے والی ہیں کہہ کر مصلحت کی پوشک پہنائی جاتی ہے۔ جبکہ در حقیقت ہمارا دشمن بہت کمزور ہے۔ دشمن کی کمزوری کا اندازہ رہبر معظم کی اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کا دشمن جو انتکبار اور عالمی سامراج ہے، گذشتہ 100 سے لے کر 150 سالہ دور کے ہر مرحلے کی نسبت آج سب سے زیادہ کمزور اور ضعیف ہے۔ آپ یورپ

کی استعماری حکومتوں کو دیکھ رہے ہیں، جو معاشری، سیاسی مشکلات اور سلامتی کے شعبوں میں مسائل سے دوچار ہیں۔ آج یورپ کی استعماری حکومتوں کو مختلف النوع مسائل و مشکلات کا سامنا ہے۔ امریکہ کی حالت ان سے بھی زیادہ بدتر ہے، اخلاقی مسائل سے دوچار، سیاسی مشکلات سے دوچار، مالی اور زری Monetary مسائل سے دوچار، نہ صرف دنیا یے اسلام میں بلکہ پوری دنیا میں صہیونی ریاست ماضی کی نسبت بہت کمزور ہو چکی ہے۔ یہ وہی ریاست ہے، جو ”نیل سے فرات تک“ کا نعرہ لگا رہی تھی۔ صہیونی چلا چلا کر کہتے تھے کہ ”نیل سے فرات تک کا علاقہ ہمارا“ ہے، لیکن یہ ریاست 50 دن تک غزہ میں لڑنے کے باوجود فلسطینیوں کی سرگمیں فتح کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ گویا اس دشمن کی حقیقت ایک مکڑی کے جال سے زیادہ نہیں۔ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ کا فرمان ہے: ”مظلوم کا دن ظالم کے دن سے ظالم کے خلاف سخت ترین دن ہو گا“، آج جب ان عالمی درندوں کے حملوں کے جواب میں چند مٹھی بھر عشقان اٹھ کر ”کلنا عباسک یا زینب“ کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو پوری دنیا میں ہلچل کیوں مج گئی؟ اپنے فتوؤں کی فیکر یا کیوں کھول دی گئیں؟

ہم نے ہمیشہ اپنے بیانات اور تحریروں میں عملًّا ثابت کیا ہے کہ ہم دہشت گردی اور دہشت گروں کے مخالف ہیں۔ اسلام کسی بھی صورت میں بے گناہ لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا، لیکن اگر وحشی تکفیری اٹھ کر ہمارے بنیادی عقائد اور مقدسات کو مسماਰ کرنے کی کوشش کریں گے تو ہم حرم آل رسول کا دفاع کرنا خوب جانتے ہیں۔ ہمارا دشمن تاریخ سے ناولد ہے۔ ہم ہی فاتح میدان ہیں۔ ہم ہی فاتح بدوختین ہیں۔ آج اگر ایک بار پھر تکفیری سوچ کو پروان چڑھانے اور محبان الہبیتؐ پر زمین تنگ کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم نہیں کی تاریخ کو دوہرانے میں ذرا تاخیر سے کام نہ لیں گے۔

آج کی کربلا میں مدافعینِ حرم کے پاک ہونے سرز میتوں کی حدود کو ختم کر دیا ہے، اب ہر جگہ سے پاک طینت جوان تیار ہیں کہ اپنے اعتقادات اور مقدرات کا تحفظ کریں اور قرآن کی اس آیت کے مصدقیں ہیں کہ ”مَوْمُونُوْمْ مِنْ مِنْ“ (بہت سے) مردوں نے وہ بات سچ کر دکھائی، جس پر انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، پس ان میں سے کوئی (تو شہادت پا کر) اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور ان میں سے کوئی (اپنی باری کا) انتفار کر رہا ہے، مگر انہوں نے اپنے عہد میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کی۔“

جو مومن پر ہاتھ اٹھائے اُس کے ہاتھ کو کاٹیں گے
جو تکفیری سر کو اٹھائے، اُس کی گردان توڑیں گے
شام میں فتحِ حسینی ہو گی، قصرِ یزیدی گرا دیں گے
روضہ زینب کے یہ محافظ آخری جنگ بھی جیتیں گے

(۲۲) مدافعینِ حرم اور اسلامی مقاومت

مدافعینِ حرم یعنی وہ مٹھی بھر عشق جنہوں نے اپنے ہو سے حرم رسول کا دفاع کیا۔ یہ جوان ایمان، عشق اور فدا کاری سے لبریز تھے اور شہادت جیسے رزق کو پاچکے تھے۔ انہوں نے زمانے کی تمام تر مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے خود کو وقت کے حسین علیہ السلام تک پہنچایا۔ آج اگر دشمن کے مقابل اسلامی مقاومت کی دیوار کھڑی ہے تو اس کا سبب یہ جوان ہیں، مدافعینِ حرم نے اسلامی مقاومت کو تقویت بخشی اور آج یہ اسلامی مقاومت ایک سرز میں تک محدود نہیں بلکہ یہ پیغام سرحدوں کی قید سے بالاتر ہو کر پوری دنیا میں حریت و استقامت کا پیغام دے رہا ہے، اسلامی مقاومت نے ہی اسرائیلی خونخوار لشکروں کا راستہ روک کر کہا جس طرح دینِ اسلام نے تمہیں مدینے میں شکست دی، اسی طرح جزیرہ عرب کے ہر خط پر تمہیں شکست ملے گی اور لعنت کا طوق تمہارے گلے میں لٹکا دیا جائے گا، کیونکہ اسلام مقاومت کا دین ہے، اسلام شوق شہادت کا دین ہے

اسلام دنیاداری اور عیش و عشرت کا دین نہیں، اسلام ہر ظلم کے خلاف ڈھنے کا نام ہے، مدافعین حرم نے سب سے بڑے خونی لشکر سے ٹکرایا اور اسلام اور اسلامی مقاومت کا معنی سمجھا یا کہ جو بھی خود کو دیندار ثابت کرنا چاہتا ہے، وہ شہادت کا راستہ تھا ہے، وہ حسین بن کریم زید سے بر سر پیکار ہے۔ مدافعین حرم کے متعلق جب بعض احباب یہ کہتے دھائی دیتے ہیں کہ آج کوئی جنگ جاری ہے، جو آپ تکرار کے ساتھ اسلامی مقاومت اور مدافعین حرم کا ذکر کرتے ہیں؟ ہر وقت تکرار کیسا تھا شہادت کا تذکرہ کیوں کیا جاتا ہے؟ بھلا بکار کوئی کربلا برپا ہے؟ ہم اپنی کم علمی کے باعث سمجھتے ہیں کہ شہادت کا دروازہ بعد از کربلا بند ہو گیا جبکہ حقیقت میں با پ شہادت عصر عاشورہ کھلا جب سبط پیغمبر نے "هل من ناصر ينصرنا" کا استغاثہ بلند کیا۔ کیا امام عالی مقام علیہ السلام نہیں جانتے تھے کہ سب ساتھی قتل ہو چکے ہیں اور اب ان کے سامنے دشمن کی قابل نفرت اور غار تگر فوج کے علاوہ اور کوئی نہیں تو آپ نے کیوں فرمایا کہ کیا کوئی ہے جو میری مدد کرے؟ درحقیقت امام نے یہ سوال انسان کے مستقبل کی تاریخ سے کیا ہے۔ اس سوال کے مخاطب مستقبل اور ہم لوگ ہیں اور اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام اپنے محبان سے کیا تو قعر کھتے ہیں۔ آج بھی حرم زینی جل رہا ہے۔ آج بھی العطش اور هل من ناصر ينصرنا کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ہم اپنی دنیاداری میں مصروف ہیں۔ درحقیقت ہمارے شہداء کا خون شہداء کر بلا کے خون کا تسلسل ہے اور میدان کر بلا آج بھی موجود ہے۔

کیا کوئی ایسا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی حرمت کا دفاع کرے؟ کیا کوئی توحید پرست ایسا ہے، جو ہمارے بارے میں خدا سے ڈرتا ہو؟ کیا کوئی فریاد سننے والا ہے، جو ہماری فریاد سن کر خدا سے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہے؟ کیا کوئی مدد کرنے والا ہے، جو ہماری مدد کر کے خدا کے یہاں موجود صلے کی تمثیل رکھتا ہو؟ عصر عاشورہ امام کے صدائے استغاثہ کے یہ جملہ آج بھی موجود ہیں، اب ہمیں اپناہ نظیفہ خود معلوم کرنا ہے کہ ہم آج کی کربلا میں کیا کردی اور اکر سکتے ہیں، ورنہ تاریخ گواہ ہے کہ قافلہ حسینی

میں صرف وہی لوگ شامل ہو سکے، جو سبک رفتار تھے۔ مدافعین حرم نے اسلامی مقاومت کی تاریخ کو از سر نوتازہ کیا۔ تاریخ نے دیکھا کہ ظلم و ستم کے آگے مقاومت کی بہت بڑی اہمیت ہے، یہی مقاومت ہے، جس کی برکت سے یمن نے بغیر حکومت اور کم وسائل کے باوجود بھی اپنا دفاع کیا ہے جبکہ ایک نہیں کئی ملکوں کی افواج نے مل کر ان پر حملہ کیا اور ابھی بھی ظلم و ستم جاری رکھا ہوا ہے۔

رہبر معظم اسی مقاومت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ظلم و ستم کے مقابلے میں اگر کوئی راہ ہم جانتے ہیں تو وہ یہی مقاومت کی راہ ہے اور مجاهد جب مقاومت کی راہ میں اترتا ہے تو در واقع خدا ہی اس کی مدد کر رہا ہوتا ہے، وہ اگر دشمن پر وار کرتا ہے اور راکٹ پھینکتا ہے تو قرآنی منطق کے مطابق خدا ہی ہے جو یہ کام انجام دیتا ہے اور اس دشمن کو نابود کرتا ہے اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلامی مقاومت کے آگے دشمن، استکبار اور صہیونی طاقت کس طرح کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے اور بلاشبہ یہ شہداء مدافعین کے مر ہوں منت ہے۔ مدافعین حرم کے مٹھی بھر عشاقد نے در حقیقت ایسے وحشی دشمن سے دفاع کیا کہ جس نے کروڑوں انسانوں کے سامنے سینکڑوں بے گناہ انسانوں کو اپنے تکفیری جہالت کے خبر سے ذبح کیا۔ یہ لوگ ان کی جہالت کی آگ میں زندہ جلائے گئے، کئی ہزار نوجوان عورتیں ان کے ہاتھوں گرفتار ہوئیں اور ان کی عزت و حرمت کو تاریخ کیا گیا۔ یہ ایسا فتنہ تھا، جو یہودیوں کے کینہ کی آگ اور امریکی ظالم حکمرانوں کی جمیعت سے اسلامی سر زمین میں شروع کیا گیا۔ مدافعین حرم صرف ایک سرز میں کے نہیں بلکہ انسانیت کے مدافع ہیں۔ یہ ولایت کے محافظ ہیں اور ان کا نتے کرہ ہر محفل اور ہر مجلس میں کرناہر محبان اہل بیت کافر یا نہ ہے۔

(۲۳) عالمی نہضت آزادی قدس اور مدافعین حرم کا کردار

امام خمینیؑ نے ماہِ صیام کے اس آخری جمع کو یوم القدس یعنی آزادی قدس کے عنوان سے موسوم کیا ہے اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اس دن کو قدس کے نام سے برپا کریں۔ یوم

القدس صرف فلسطین سے مخصوص نہیں ہے یہ اسلام کا دن ہے۔ بہت سارے اسلامی ممالک ایسے ہیں جن میں لوگوں کو خبر بھی نہیں ہے کہ یہ کون سادن ہے اور اس کو کیوں بر گزار کیا جاتا ہے؟ بلکہ اس کے باڑے میں شہباد بھی رکھتے ہیں مثلاً عالم مسلمان سوچتے ہیں کہ ہم کیوں جمعۃ الوداع کو روزِ قدس، روزِ آزادی فلسطین، روزِ آزادی قبلہ اول کے طور پر برپا کریں؟ اس موضوع کی تفسیر و تبیین یعنی اس کی نظریات بندیا دوں کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ کس پیش منظر کے تحت امام خمینی نے روزِ قدس کو بغناوں یوم اللہ قرار دیا؟ تمام مسلمانوں سے توقع بھی نہیں ہے کہ وہ اتنی بصیرت کے ساتھ ایسے امور کو درکار کر پائیں جو کہ ایک طبعی بات ہے۔

جہاں اسلام میں بصیرت بہت ہی کم ہے اور اس کی بندیا دی وجہ یہ ہے کہ طویل عرصہ سے مسلمانوں کو سیاسی دین سے دور کر کے خانقاہی اور صوفیانہ دین کی طرف مائل کیا گیا یعنی دین کو ایسا بنا کر پیش کیا گیا جس کا سیاسی امور میں کوئی عمل و خل نہیں ہے بلکہ سیاسی امور کو ایک طرح کی بے دینی تصور کیا گیا۔ آج بھی ایسی شخصیات دیکھنے کو ملتی ہیں جو سیاسی امور میں مداخلت کرنا خلافِ تقویٰ سمجھتے ہیں۔ کیا ستم ہے کہ مسجد کا محراب جسے حرب کی جگہ قرار دیا گیا اسی اسلام کے نام لیوا خود کو سیاسی امور میں مداخلت سے دور رکھیں۔ اس فکر نے یعنی دین کو سیاست سے جدا کرنے نے اسلام کو جتنا فحصان پہنچایا ہے اتنا دشمنانِ اسلام نے بھی نہیں پہنچایا۔ اسی وجہ سے سیاسی دین کی بصیرت عوام، علماء اور خواص میں پیدا ہی نہیں ہوئی جس کے نتائج جہاں اسلام کے لیے تباہ کن نکلے اور اس کی ایک عملی تصویر سالوں سے جاری فلسطین کی آزادی کی کوششوں کی صورت میں نظر آتی ہے۔

راہ خدا میں قیام کا نام دین ہے۔ قیام کرنے اور کروانے کو نہضت کہتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے امام خمینی کو جو صلاحیت دی تھی کہ جو قوم جو دی کی حالت میں تھی اس کے اندر تحرک پیدا کیا اور اسی کام کو نہضت کہتے ہیں۔ نصف اٹھانے کو کہتے ہیں اور نہضت یعنی اٹھانا۔ کسی قوم کو مقصد کے حصول کے لیے قیام کرنے کو نہضت کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسی بہت ساری آیات ہیں جن میں

طاغوتوں، ظالموں اور غاصبوں کے خلاف قیام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے امام خمینی فرمایا کرتے تھے کہ اسلام مذہبِ قیام ہے۔ قیام سے مراد کسی مقصد کے لیے نکلا، اٹھنا اور تحرک اور حرکت کرنا ہے۔ جو شخص مسلمین کے امور سے لا تعلق رہتا ہے وہ مسلمان ہی نہیں بلکہ دائرة اسلام سے خارج ہے۔ رسول خدا ﷺ کی معروف حدیث ہے کہ:

من اصبح لایتمہ بامر المسلمين فلیسیں مسلم

اگر کوئی مسلمان ایک دن گزارے اور اس دن مسلمانوں کے امور متعلق کوئی اہتمام نہ کرے تو وہ دائرة اسلام سے خارج ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا:

من سمع عیال المسلمين

اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد کے لیے فریاد سنے اور اس کی آواز پرلبیک نہ کہے تو وہ اسلام سے باہر ہے۔

مسئلہ قدس کے اندر اتنی صلاحیت موجود ہے لہذا سے جہان اسلام کے لیے ایک عالمی نہضت قرار دیا گیا کیونکہ قدس امتِ مسلمہ کے لیے ایک دینی اور خالصتاً اسلامی موضوع ہے اور یوم القدس کا تعلق فقط آزادی فلسطین کے ساتھ نہیں بلکہ یہ مسئلہ اہداف کے لحاظ سے پوری دنیا کی حد تک وسیع ہے۔ یعنی شروع میں فلسطین، قدس اور مسجد اقصیٰ محک ہیں لیکن اس کا غایت و ہدف بہت وسیع ہے یعنی یہ نہضت صرف فلسطین کو اسرائیل کے ناپاک وجود سے آزاد کروانے تک محدود نہیں بلکہ تمام اسلامی ممالک کو ہر اس طاقت سے آزاد کرانے کے لیے ہے جو اس پر غالب اور مسلط ہے۔ آج ہر اسلامی سر زمین بلا خر کسی طرح کسی بیر و نی یا اندر و نی شیطانی طاقت کے چُنگل میں گرفتار ہے۔ اسی طرح عرب سر زمینیں جتنی بھی ہیں یہ مغربی مہروں کے اختیار میں ہیں اور ان سر زمینوں کو بھی آزاد کروانا ہے۔

کیسے ممکن ہے کہ قدس کا تذکرہ ہو شہید قدس اور مدافعین حرم کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ آج جو ہم ”قدس قریب ہے“ کے نعرے بلند ہوتے سن رہے ہیں یہ شہید حاج قاسم سلیمانی اور مدافعین حرم کے مرہون منت ہیں۔ جزل سلیمانی نے فلسطین اور تحریک مراجحت کو عروج تک پہنچایا، اس کو مقتدر اور طاقتوں بنا لیا اور اپنے آپ کو فلسطینی عوام کی خاطر قربان کر دیا اور شاید یہی وجہ تھی کہ حماس کے سربراہ اسماعیل ہانیہ نے شہید کے جنازے پہ حاضر ہو کر کہا: ”شہید سلیمانی شہید قدس ہیں شہید قدس ہیں شہید قدس ہیں“

آج ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ یہ کہتے دیکھاتی دیتے ہیں کہ قدس کی ریلی میں جانے سے کیا ہو گا؟ کیا ہمارے جانے سے فلسطین آزاد ہو جائے گا؟ ایسے تمام لوگوں کے لیے مدافعانِ حرم شہید ساجد کی داستان قابل مطالعہ ہے جو نبیوں کے سب سے کم عمر شہید تھے۔ شہید ساجد فرشت ائمہ کے طالب علم تھے جب انہیں معلوم ہوا کہ نواسی رسول کو ایک بار پھر اسیر کر لیا گیا ہے آپ اپنا شریعی فریضہ سمجھتے ہوئے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے حرم کی حفاظت پر گئے۔ آپ نے فقط حرم سیدہ سلام اللہ علیہا کی حفاظت تک خود کو محمد و دنہ کیا بلکہ واپس آکر قدس کی روپیوں میں شرکت کے لیے انتظامی امور میں بھی پیش پیش رہے۔ جب شہید کی والدہ نے شکوہ کرنا چاہا کہ آپ ابھی سوریا سے لوٹے ہیں ریلی میں نہ جائیں تو بی بی زینب کے اس حقیقی سپاہی نے کیا خوبصورت جملہ کہا کہ

”فقط دفاع سوریا میں نہیں ہے۔ بلکہ جہاں مظلومین ہیں چاہے وہ شام میں ہوں، فلسطین میں ہوں، یمن میں ہوں یا پاکستان میں ان سب کی حمایت اور ان کا دفاع واجب ہے۔“

مدافعین حرم کے اس کم عمر شہید کا جملہ ہم سب کے لیے مشعل را ہے جو بالا وجہ کی عذرخواہی کرتے ہیں۔ مدافعین حرم اور شہید قدس نے اپنا فریضہ ادا کیا اور آج وہ ہماری طرف دیکھ رہے

ہیں۔ کاش ہم اپنی ذمہ داریوں سے نہ بھاگے ہوتے۔ اپنے ذاتی اختلافات کو کتب پر قربان کر دیتے تو شاید بیت اول کی آزادی میں جاری سالوں کی یہ کوششیں جلد رنگ لے آتی۔

(۲۳) وفات جناب زینبؓ اور مدافعین حرم کا کردار

پندرہ ربج کے دن کا سورج اہل بیت علیہم السلام اور ان کے چاہنے والوں کے لیے غم و حزن اور دردناک یادوں کے ہمراہ طلوع ہوتا ہے۔ یہ وہ دن ہے جس میں ثانی زہراء حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اس دنیا کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا۔ اس مناسبت کے حوالے سے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی زندگی کے چند پہلوں کا ذکر کرتے ہیں:

شرم و حیا کا پیکر

جناب زینب شرم و حیا کا سرچشمہ تھیں اور سختی کے ساتھ پر دے کی پابند تھیں۔ مدینہ اور کوفہ میں مولائے کائنات کی ظاہری خلافت کے دوران کسی نامحرم کی نگاہ آپ سلام اللہ علیہا پر نہیں پڑی تھی۔ بیشتر اپنی حزیم کہتا ہے، باخدا! میں نے ایسی باعفت اور باحیا خاتون کو نہیں دیکھا، جو اتنے مستحق انداز سے عوام سے خطاب کرے۔

کمالِ عبادت

ثانی زہراء سلام اللہ علیہا راتوں کو عبادت کیا کرتی تھیں اور اپنی زندگی میں آپ نے کبھی بھی نمازِ شب کو ترک نہ کیا۔ اس قدر عبادت پر ودگار کا اهتمام کرتیں کہ عابدہ آئل محمد کھلا گئیں۔ روزِ عاشور

امام عالی مقام نے آپ سے وداع کرتے ہوئے فرمایا: "یا اختی لاتنسینی فی نافل الیل" میری بہن! نماز شب میں مجھے مت بھولنا"

عالمه غیر معلمہ

امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ اے پھوپھی جان! آپ (اللہ کے فضل سے) بغیر کسی تعلیم دینے والے کے عالمہ ہیں اور بغیر کسی سیکھانے والے کے فہمیدہ ہیں۔

روز عاشور جناب زینب سلام اللہ علیہا کی حضرت

اگر عورتوں پر جہاد کرنا واجب ہوتا اور جنگ کرنا ان کے لیے درست ہوتا تو میں ہر لمحہ آپ (امام حسین) پر ہزار جانیں فدا کرتی اور ہزار مرتبہ شہادت کی طالب ہوتی۔ ایسے عظیم گھر میں تربیت و پرورش پانے والی شخصیت کا حق یہی کہ وہ ہر کمال کے اعلیٰ ترین مراتب پر فائز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا میں وہ تمام اعلیٰ صفاتِ کمال اور فضائل پائے جاتے تھے کہ جن کی نظر کسی بھی خاتون میں ملانا ممکن ہے، انہی فضائل و مناقب کی وجہ سے آپ کو صدیق الصغری، عقیلہ بنی ہاشم، موشقہ، عارفہ، کاملہ، عابدہ آل علی اور بہت سے دوسرے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے کربلا، کوفہ و شام اور مدینہ میں جن مصائب کا مکمل ثابت قدمی اور شجاعت سے سامنا کیا، ان مصائب کا سامنا کرنے سے پہاڑ ریزوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور سمندر قطروں کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ لیکن ان تمام مصائب کے باوجود اپنے موقف پر ایسے ثابت قدم رہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہلتے ہیں توہل جائیں، لیکن رسول کی نواسی کی ثابتت قدمی میں ذرا برابر فرق نہ آیا۔ اپنی گفتار اور سیرت میں ایسی شجاعت اور دلیری سے کام لیا کہ لوگوں کو حضرت علی بن ابی طالب کی شجاعت یاد آگئی۔ صبر، حلم اور دانائی میں اپنی والدہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی شبیہ بن کرتا رخ کے صفات پر ظاہر ہوئیں۔

وہ جس نے کڑے وقت میں عترت کو سنبھالا
 طوفان کے تھیڑوں میں قیادت کو سنبھالا
 جلتے ہوئے نیچے میں امامت کو سنبھالا
 قرآن کی تفسیر خدا ساز تھی زینب
 غاموشی شیر کی آواز تھی زینب
 ایمان کی منہ بولتی تصویر تھی زینب
 شیر کا سر کٹتے ہی شیر تھی زینب

کیسے ممکن ہے ثانی زہراء سلام اللہ علیہا کا ذکر ہوا اور مدافعان حرم کا ذکر کرنہ کیا جائے، جن کی وجہ سے آج حرم اُم المصالح محفوظ ہے۔ ہم کاش کا شکتی رہ گئے اور عشق اپنے وعدے وفا کر گئے۔ ہم ابھی تک کاش کی منزل سے آگے نہیں بڑھے۔ کاش بی بی کربلا میں ہوتے، آپ کے حسین پر جان قربان کرتے۔ آج کی کربلا میں ہم نے کیا کردار ادا کیا؟ نبیوں وہ جو مٹھی بھر عشق تھے، آئے اور اپنے وعدے وفا کر گئے۔ وہ عہد نبھا گئے اور ہم حضرت سے تکتے رہ گئے۔ نبیوں نے بی بی سلام اللہ علیہا سے کیے اپنے وعدوں کو وفا کیا۔ اب ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اس راہ میں کار زینبی انجام دیں۔ شہداء مدافعین حرم کی زندگی اور خصوصیات کو اپنے لیے آئندہ میل قرار دیں اور شہداء کے وصیت ناموں میں فکر کریں، اس سے پہلے کہ کربلا پہاڑوں جائے۔

عزؑ کی خاطر کشا کے گردن
 ہمارے ہاتھوں میں دے کے پرچم
 پکڑ کے انگلی چلا رہے ہیں
 فرج کا رستہ دکھا رہے ہیں

(۲۵) فلسطین عصر حاضر کی کربلا اور مدافعین حرم

باب الحکمت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا فرمان ہے: مظلوم کا دن ظالم کے دن سے ظالم کے خلاف سخت ترین دن ہو گا آج جب عالمی درندوں کے جواب میں فلسطینیوں نے جوابی کارروائی کی تو پوری دنیا میں بچلچ مچ گئی۔ کجا اس کے کہ مسلم امہ تعاون کی لیقین دہانی کارروائی اتنا نہیں مظلوم فلسطینیوں پر ہرزہ سراہی کرنے کے لیے سب میدان میں آگئے، بہت سارے مفید مشوروں سے نواز گیا، کہیں دشمن کی طاقت، جدید ٹکنالوجی، بہترین اسلحہ یاد کروایا گیا اور کہیں طاقت اور سرمائے کے نشے میں چوریزید وقت سے ڈرایا گیا۔ کہیں میزائل فراہم کرنے والوں پر تبرا کیا گیا تو کہیں اسے الیکشن متوڑی کروانے اور جدید ٹکنالوجی کے متعارف کروانے سے مربوط کیا گیا۔ یہ انوکھے مشورے بھی دیئے گئے کہ آپ اتنی صلاحیت نہیں رکھتے کہ جوابی کارروائی کریں اس لیے بہتر ہے اس عالمی صحیونی و ہستینگز دی کا گھونٹ جو سالوں سے پی رہے ہیں خاموشی سے پیتے رہیں، غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہیں اور مزے لیتے رہیں، آپ بھول جائیں کہ آپ وہی ہیں جنکی نصرت کے لیے ملائکہ اترا کرتے تھے، عاشورا کا درس حریت و انسانیت سراسر فراموش کر دیجیے کیونکہ آپ کو کربلا صرف رونے دھونے کے لیے سنائی گئی تھی۔ حسین ابن علی جن کے قیام کا مقصد باطل کے مقابل علم مقاومت بلند کرنا تھا، ہر طرح کی بینیدی طاقت کے مقابل نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے ڈٹ جانا تھا اور ”کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة“ کی عملی تفسیر کے مظاہر دکھانا تھا، وہ مظلوم فلسطینیوں نے ثابت کر دیا کہ تاریخ کے ہر دور میں حق کو باطل پر فتح نصیب ہوئی ہے، ان نوہنال بچوں نے پتھر ہاتھ میں لے کر نہاد مسلم امہ اور انوکھے مشیروں کو پیغام دے دیا کہ غلامی کے طوق آپ بھی اتار سکتے ہیں، مگر آپ سے التجا کی جاتی ہے کہ اس پیغام حریت کو اپنے تک محدود رکھیں۔ جہاں پوری مسلم امہ خاموشی اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑی رہی وہاں حماس، سرایا

القدس، کتابت القسام اور محور مقاومت نے میزائیلوں سے پیغام دیا کہ اگر کوئی دشمن تمہاری دہلیز پا کر کے تمہاری غیرت کو لاکارے تو اس کا جواب اینٹ کی بجائے پتھر سے دو۔ افسوس کہ مسلم امہ کی غیرت نہ جاگ سکی، یہ مزے کی نیزد سوتے رہے اور غلامی کی چوڑیاں نہ اتارتے۔

ہم جہاں ایک طرف قائد کا یہ نعرہ لگاتے رہے کہ اسرائیل ایک ناجائز ریاست ہے اور یہ مسلمانوں کے دل میں خنجر گھونپنے والی بات ہے جسے ہم تسلیم نہیں کریں گے۔ وہیں قائد کے اسی ملک میں اسرائیل کے پرچم نذر آتش کرنے پر ایف الی آرتیٹ کاٹی گئیں، اسرائیلی گماشتوں کو خوش کیا گیا اور ایسا دوہرا معیار اختیار کیا گیا جو سمجھتے باہر ہے۔ یاد رہے کہ جنگ کا آغاز اسرائیل نے مسجد اقصیٰ پر حملہ کر کے کیا جس کے جواب میں جوابی کارروائیاں کی گئیں تاکہ غلامی کی زنجیروں کو ہمیشہ کے لیے توڑا جاسکے، مگر اپنوں کی طرف سے الزامات لگائے جاتے رہے پہلے کہا جاتا تھا مزماعت کیوں نہیں کرتے اب جب مزماعت کرتے ہیں تو قلیل تعداد اور وسائل کی کمی کے طمع دیے جا رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کل تک مدافعینِ حرم کے خلوص پر شکوہ و شبہات کا شکار تھے۔ مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کرنے والوں پر بھی جملے کئے سے بازنہ آئے تھے۔ حرم ثانی زہراءؑ کے محافظین پر جھوٹے اور بے بنیاد الزامات کی بوچھاڑ کرنا نہیں بھولے تھے۔ مگر وہ مٹھی بھر عشق جو اپنے ہدف اور وظیفے سے باخوبی آگاہ تھے، وہ آئے اور آسمانی رمزیں پا کر بارگاہِ سیدہ سلام اللہ علیہا میں ہمیشہ کے لیے سرخرو ہو گئے، فلسطین کے مجاہدین نے مشیل نبیوں جان کی پروار کیے بنا دفاع کیا اور مدافعین کی طرح سرخرو ہو گئے۔

یہ الی لشکر ہیں جو دنیاوی آرائیش سے کوسوں دور، دنیاوی لذات سے پاک و پاکیزہ اور اپنے اهداف و مقاصد سے باخوبی آگاہ ہیں، ان کا ہم و غم ایک ہے، ان کی آرزو شہادت اور عنشقِ الٰی میں سرخرو ہونا ہے۔ یہ اپنے اهداف سے اک اچھی بھی پیچھے نہیں ہے، فلسطینی مقاومت کا دن وحدتِ اسلامی کا عظیم دن ہے۔ یہ دن فداء ہو جانے، قربان ہو جانے اور خدا کی راہ میں شہید ہو جانے کا

دن ہے تاکہ مسجد اقصیٰ، قدس اور فلسطین محفوظ رہے۔ عاشورا کے دروس میں سے ایک درس یہ ہے کہ جو حق کو گرانا چاہتا ہے، حق اس کو گردیتا ہے۔ جو اپنے آپ کو باطل کے حوالے کر دیتا ہے باطل اس سے دھوکا کرتا ہے۔ جو ابليس کی پیروی کرتا ہے ابليس اس سے خیانت کرتا ہے۔ جو کوئی حق کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے حق اس کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور جو حق کا دفاع کرتا ہے حق اس کا دفاع کرتا ہے۔

اے قوم وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ
اسلام ہے پھر تیرِ حادث کا نشانہ
کیوں چپ ہے اسی شان سے پھر چھٹرِ ترانہ
تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ
مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر فرد حسینؑ ابن علی ہو

(۲۶) ظہورِ امام اور شہداء اسلام

اس بات پر پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ آخری زمانہ میں رسول خدا ﷺ کی اولاد میں سے ایک شخص ظہور کرے گا، جو کہ دنیا کو اسی طرح عدل و عدالت سے پر کر دے گا، جیسے وہ ظلم سے بھر چکی ہو گی۔ امتِ مسلمہ کا یہ اتفاق ان صحیح احادیث کی وجہ سے ہے، جو اس سلسلہ میں پیغمبر ﷺ سے نقل ہوئی ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مہدی کے ظہور کا انکار کیا تو اس نے کفر کیا۔ ام المؤمنین جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مہدی میری عترت سے اور اولادِ فاطمہ میں سے ہو گا۔ آج پوری انسانیت عالیٰ نجات و ہندگی متناشی ہے، ایک ایسے مسیحی کی جو آکر دنیا میں الٰہی نظام قائم کرے گا، جہاں عدالت،

مواسات، مساوات اور معنویت و فضیلیت کی حکومت ہوگی۔ اس روز کی امید سے جس روز پوری دنیا نورِ ولایت سے روشن ہوگی۔

وجودِ حق سے یہ سارا نظام قائم ہے
کسی کے فیض سے یہ انتظام قائم ہے
وہ اور ہوں گے یتیمانِ مذہب و ملت
ہمارے سر پر ہمارا امام قائم ہے

پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی تمام تر کوشش اسلامی حکومت کی تشکیل میں صرف کرداری اور شہر مدینہ میں اس کی بنیاد ڈالی، لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اگرچہ معموں میں اور علمائے دین حکومت اسلامی کی آرزو رکھتے تھے، لیکن انگشت شمار حکومتوں کے علاوہ کوئی الٰی حکومت نہیں بن سکی۔ دنیا کی وسعت اور گسترش کے سبب اس کی تدبیر انتہائی مشکل کام ہے، جسے صرف نظامِ الٰی اور اسلام کی حاکیت کا اعتقاد رکھنے والے الٰی لیڈر اور دلسوز و ہمدرد خدمتگار ہی انجام دے سکتے ہیں اور آج دنیا اسی مبنی موعود اور مسیحی مفترض ہے، جس کا انتظار کرنے والا اور دعا کرنے والا پروحد کے شہداء سے افضل ہے۔

فرزندِ رسول، یوسف زہراء دنیا کو سنبھالنے کے لیے ایسے ایسے وزرا کو منتخب کریں گے، جو جنگی سابقہ رکھنے کے ساتھ ساتھ تجربہ و عمل کے اعتبار سے اپنی پائیداری و ثابت قدمی کا مظاہرہ کرچے ہوں گے۔ فرزند زہراء اس طرح حکومت تشکیل دیں گے اور لوگوں کی ایسی تربیت کریں گے کہ ان کے ذہن سے لفظِ ستم مٹ جائے گا بلکہ روایات کے مطابق پھر کوئی کسی پر ظلم نہیں کرے گا، یہاں تک کہ حیوانات بھی ظلم و ستم سے باز آ جائیں گے۔ گوسفند اور بھڑیے ایک ساتھ مل بیٹھیں گے۔

ہاں وہ وعدہِ الست کی تجدید کون ہے؟

غیبت کدے میں مظہر تو حید کون ہے؟

بادل میں جو نہاں ہے وہ خورشید کون ہے؟

نبیوں کی اور اماموں کی امید کون ہے؟

ہمارے امام ہم سے اتنا قریب ہیں کہ ہمارے الفاظ ہمارے کان میں بعد میں پہنچتے ہیں، پہلے امام قائم سن لیتے ہیں۔ امام زمانہ کے لیے کوئی خاص کام کریں اور سب سے بہتر کام اخلاص کو پیدا کرنا ہے۔ الجبل کی صد اجس قدر زبان سے ادا ہو، اس سے زیادہ ہم ہے کہ ہمارے وجود سے الجبل کی صد آئے۔ وہ زاہد اور عابد افراد جن کا سختیوں اور جہاد سے تعلق نہیں ہے، وہ امام غائب کو دوست رکھتے ہیں، وہ امام قائم علیہ السلام کو دوست نہیں رکھتے، کیونکہ امام قائم علیہ السلام ان پر ذمہ داریاں عائد کرتا ہے اور اہل جہاد و سختیاں برداشت کرنے والا اور شیطان کے خلاف قیام کرنے والا بنتا ہے۔ آج امام کو ایک فرد کی نہیں بلکہ امت کی ضرورت ہے۔ ہم خود سے سوال پوچھیں کہ کیا ہم وہ الٰہی نظام تنقیل دے رہے ہیں، جہاں آکر امام حکومت کریں گے؟ ہم جو صبح شام الجبل کی صدادے رہے ہیں، کیا ہم نے اس طرح زمینہ سازی کی ہے کہ فرزندِ زہراء آکر الٰہی حکومت قائم کریں؟ کہیں، ہمارے عربیضے کوفیوں کے خطوط سے مشابہت تو نہیں رکھتے؟ کہیں وہی پرانے وعدے تو نہیں، جہاں صداقت کی رمق تک نظر نہیں آتی؟ ہم جس تڑپ سے الجبل کہ رہے ہیں، کیا وہ الجبل کی صدا ہمارے وجود سے بھی آرہی ہے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ چودہ سو سال گزر گئے اور امام کا ظہور نہیں ہو رہا؟ امام کا ظہور نزدیک ہے، ہم نے امام کے لیے کیا تحفہ تیار کیا؟ امام کو ہمارے دنیاوی تحائف کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم امام کو کچھ دے سکتے ہیں تو وہ ہمارا وجود ہے۔ کیا ہم معاشرے کو ظہور کے اس عظیم معركے کے لیے تیار کر رہے ہیں؟

سنوا!!

قدموں کی آہٹ کو

دعائے عہد دہراں

زینہ ساز بن جا

کہ بس وہ آنے کو ہے

کہ جس دم جب ندادے

تو پھر لیک کہنا ہے

مگر لیک کہنے کے لیے

حربتنا پڑتا ہے

حربتنا پڑتا ہے

اے پاک طینت عاشقانِ خدا! آپ کے پاک خون سے رنگیں پیشانی، آپ کی دنیا کی تھکاوٹ سے آزاد بند مطمئن آنکھیں اور خون لگے خشک ہونٹ جوہر وقت اپنے خالق کی حمد و شناسی میں مشغول رہتے تھے اور مہدی دور اس کے ظہور کے لیے آپ کی انتہک کاؤشیں، یہ سب سوچوں توکسی پل قرار نہیں آتا اور یہ فکر ہر وقت بیدار رکھتی ہے کہ کہیں ہم خواب غفلت میں سوتے نہ رہیں۔ وہ تحریک جسے آپ نے اپنے لہو سے زندہ رکھا، ہر پل بیدار کی رکھتی ہے۔ نظرِ الوالوں گستاخ شہداء پر تو ہر طرف شہداء اسلام کے پاک تن دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں شہید باقر الغیر کی صورت میں، کہیں شہید قائد کی شکل میں، کہیں شہید استاد سبیط جعفر کی صورت میں، کہیں شہید خرم ذکی کی شکل میں، کہیں شہید ناصر علی صفوی اور کہیں شہید محرم علی کی شکل میں اور کہیں شہید سفیر انقلاب شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی صورت میں پیغام حریت کا درس دیتے اور دنیا کی بے ثباتی کو سامنے لاتے۔

آپ کا یہ پاکیزہ لہو جو راہِ خدا اور راہِ امام میں بھایا گیا اور ظہورِ امام کے لیے آپ کی کاؤشیں اور دنیا سے بیزار آپ کی پاکیزہ آنکھیں، قسمِ باخدا ہر پل مضطرب رکھتی ہیں۔ شہداء آپ سے سیکھا کہ شکوہ و شکایت نہ کروں، مگر اس دل کا کیا کروں، جو نوحہ کنان ہے، جو دیکھتا ہے کہ آج ہر موضوع کو زیر بحث لا جاتا، مگر دور دوستک کوئی ایسا دکھائی نہیں دیتا، جو آپ کی مظلومیت کا نوحہ پڑھے۔ وہ

شہداء جو اس ملت کا فخار ہیں، وہ گمانی کا استعارہ بنتے جا رہے ہیں۔ کیا یہ غمِ کم ہے؟ خدا کی قسم شہداء کی جگہ خالی ہے۔ شہید علی ناصر صفوی کی جگہ خالی ہے۔ کہاں ہیں شہیدِ حرم علی جیسے شجاع؟ اس خلاء کو پر کرنے والے کہاں ہیں؟ وہ جنہوں نے اپنا ہود کیر فرج کارستہ دکھایا، انہیں کب تک یوں یکسر فراموش کیا جاتا ہے گا؟

اے شہید ان را وفا یہ غم یہ درد یہ خون جگر کئے دکھاؤ؟ یہ تڑپ جو کسی پل چین نہیں لینے دیتی۔ یہ اضطراب جو ہر وقت گھیرے رکھتا ہے اور وہ عہد جو آپ کے پاکیزہ لہو سے کیے تھے، جسے آج ہم یکسر بھلانے بیٹھے ہیں۔ وہ تحریک جسے آپ نے اپنے پاکیزہ لہو سے سینچا تھا، آج اس پر ایک گھری خاموشی ثبت ہے۔ یہ سب سوچوں تو دل درد سے پھشتتا ہے۔ کیا خدا اور امام ہمیں اس کوتاه نظری پر معاف کریں گے۔؟ شہداء آپ نے ظہورِ امام کے لیے جو خدمات انجام دیں، ہم اس میدان میں کیا کر رہے ہیں، یہ سوچوں تو ندامت کا احساس مزید بڑھ جاتا ہے۔ دیکھیے شہداء آپ نے اپنے لہو سے ظہورِ امام کو نزدیک کیا اور ہم راہِ امام میں اپنے باہمی اختلافات تک کو بھلانے کے لیے آمادہ نہیں۔ حب الدین، مادہ پرستی، عداوتیں، کینہ وہوا وہوس میں اس قدر غرق ہیں کہ ہمیں فرزندِ زہراء کی تہائی تک نہیں رلاتی۔ کیا وہ عہد جو آپ کے پاکیزہ لہو سے کیے ہم نہ جا رہے ہیں؟

اعزا کی خاطر کثا کے گروں

ہمارے ہاتھوں میں دے کے پرچم

کپڑ کے انگلی چلا رہے ہیں

فرج کارستہ دکھارہے ہیں

ہماری غفلت نے ان کے احسان

کتنی جلدی بھلا دیئے ہیں

اور ہاتھ ان سے چھڑا رہے ہیں

(۲۷) ام الشداء جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اور مدافع ان حرم

جو نہی ایام فاطمیہ کا آغاز ہوتا ہے، فضائیں ایک عجیب حزن و ملال کا احساس ہوتا ہے، جیسے یہ فضائیں بذاتِ خود جناب زہراء سلام اللہ علیہا کی مظلومیت کی خبر دیتی ہوں۔ ایام فاطمیہ لختِ جگر گوشہ رسول حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی شہادت کے ایام کو کہا جاتا ہے، جن میں عاشقانِ اہل بیت آپ کی شہادت کی مناسبت سے عزاداری کرتے ہیں۔ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کا فیض انسانوں سے بھری اس دنیا کے کسی چھوٹے سے گروہ تک محدود نہیں۔ اگر حقیقت بین اور منطقی نگاہوں سے دیکھا جائے تو پوری انسانیت حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی احسان مند نظر آتی ہے اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے، جیسا کہ پوری انسانیت، اسلام، قرآن اور انبیاء الٰی اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کی مرہون منت ہے۔ تاریخ میں ہمیشہ سے ایسا ہو رہا ہے اور آج بھی ایسی ہی صورت حال ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اسلام اور حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی معنویت کا نور مزید واضح ہوتا جائے گا اور بشریت اسے بہتر انداز میں محسوس کرے گی۔

مادر آن مرکز پر کار عشق

(مکتبِ عشق کے نقطہ مرکزی کی ماں بین)

مادر آن کاروان سالار عشق

(عاشقوں کے سالار یعنی امام حسین کی ماں بین)

مزرع تسلیم را حاصل بتول

(تسلیم و رضا کی کھیتی کا حاصل بتول بین)

مادران را اسوہ کامل بتول *

(اور ماؤں کے لئے اسوہ کامل بتول بین)

شہداء اسلام کی زندگیوں کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ شہداء جناب زہراء سلام اللہ علیہا سے ایک خاص انسیت و محبت رکھتے تھے اور محاذ کے درمیان پیش آنے والی مشکلات پر بالخصوص مادر آئمہ جناب زہراء سلام اللہ علیہا سے توسل کیا کرتے تھے۔ اس حوالے سے ایک جگہ خود شہید قاسم سلیمانی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم میدان جنگ میں مشکلات سے دوچار ہوتے تو صرف زہراء مرضیہ سلام اللہ علیہا کا نام تھا جس نے ہمیں تسلیم اور نجات عطا کی۔ سخت ترین حالات میں جنگلی میدانوں میں خصوصاً نزد سے بھری زمین پر ہم نے فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی مادرانہ محبت اور قدرت کو نزدیک سے دیکھا اور محسوس کیا ہے۔

الحمد لله كه نوکر تم

الحمد لله كه مادر من

صلی علیک یا فاطمہ

شہداء مدافعن اسلام کی جناب زہراء سلام اللہ علیہا سے خاص عقیدت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جناب زہراء سلام اللہ علیہا بھلی مدافع ولایت کے طور پر سامنے آتی ہیں اور پُرآشوہ زمانے میں بھی ولایت کا بھر پور دفاع کرتی ہیں۔ یوں کہا جائے کہ شہداء گمنام کی فہرست جناب زہراء سلام اللہ علیہا اپنے ہاتھوں سے خود لکھتی ہیں تو غلط نہ ہو گا۔ شہداء وہ جو عاشقان خدا تھے جنہوں نے شب کی تاریکیوں میں جناب زہراء سلام اللہ علیہا سے گمانی مانگی۔ وہ عاشقان خدا جو شہرت طلب نہ تھے، تبھی جناب زہراء سلام اللہ علیہا کی فرزندی نصیب ہوئی۔ ہمیں چاہیے کہ ہر قسم کی مشکل میں حقیقی مادر جان جناب زہراء سلام اللہ علیہا سے توسل کریں اور ولایت کے دفاع کے لیے ہر لحظ خود کو آمادہ رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ کاروان عشقان شہداء چلا جائے اور ہم حسرت بھری نگاہوں سے تکتے رہیں۔

تبصرہ کتاب

مولانا محمد ہادی:

شہادت موت نہیں، زندگی ہے۔ غافل ہمیشہ اس دنیا کی زیب و آرائش کو ہی زندگی سمجھتا ہے، اگر کوئی اس پست و حقیر دنیا کی محبت میں غرق ہے تو جان لے کہ اس نے اپنے نفس کا سودہ انتہائی گھاٹے میں کیا ہے۔ اپنے نفس کو کس دنیا کے عوض فتح رہے ہو؟! تمہاری یہ دنیا میرے مولا علی علیہ السلام کی نظر میں سور کی اس انتزیوں سے بھی زیادہ پست ہے جو کسی مجبود (کوڑھی) کے ہاتھوں میں ہو۔ غافل ہے وہ انسان جو اس دنیا میں دل لگائے، یہ دنیا دل لگانے، اس کے عجائبات میں کھوجانے اور مانوس ہو جانے کی جگہ نہیں ہے۔ اپنے نفس کو دنیا کے بدالے میں نہ بیچو! غور و فکر کرو اور اصل زندگی کی طرف پلٹ آؤ۔ اپنے دل میں شہداء کی دنیا پیدا کرو اور اس پست و حقیر دنیا سے منہ موڑلو۔

اس کتاب "پاسبان حرم" کے مطالعہ کرنے سے شہداء کی دنیا کو محسوس کیا جاسکتا ہے، شہداء کی ایک الگ دنیا ہے۔ ہم مال و دولت اور شہرت کی دنیا میں جی رہے ہیں، ہم خنروں مباهات کی دنیا میں سانس لے رہے ہیں مگر نہیں یہ زندگی ہی نہیں، اصل زندگی شہادت ہے۔ وہ انسان جو شہداء کی زندگی کو محسوس کرتا ہے اور شہادت کی ترپ اس کے دل میں ہے وہ ہر لمحہ با مقصد زندگی سے آگاہ ہے۔ درحقیقت شہداء شمع ہدایت ہیں، شمع خود جل کر بھی دوسروں کی زندگی میں روشنی لاتی ہے المذا یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، یہ جوانوں کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں نہایت خوبصورتی سے شہداء اور مدافعین حرم عاشقانِ پاک طینت جوانوں کی با مقصد زندگی درج ہے جس سے یہ احساس جنم لیتا ہے کہ شہداء کی دنیا ایک الگ دنیا ہے۔

فصل سوم

کالم

اس باب میں شہداء مدافعین حرم پر لکھے گئے نامور تجزیہ نگاروں کے کالموں کو شامل کیا گیا ہے۔

آخر نہ نبیوں ہی کیوں؟

تحریر: سیدہ حجاب زہراء نقی

دفاع کرنا فطرت انسانی ہے۔ اگر کوئی ہمیں مسلسل نقصان پہنچا رہا ہو تو کیا اس کے مقابلے میں ہم اپنا دفاع نہیں کریں گے؟ جب بھی کوئی اپنا دفاع کرتا ہے تو اسے یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ دہشت گرد ہے یا ملک کا امن خراب کر رہا ہے بلکہ اسے تو عقلمند، دوراندیش اور بہادر کہا جاتا ہے۔ دفاع کرنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے، ہم سب کسی نہ کسی چیز کے مدافع ہیں، دفاع کرنا کوئی غیر فطری عمل نہیں ہے۔ جو جوان اپنے وطن عزیز کا یا مقدس مقامات کا دفاع کرتے ہیں آیا عقل ان کو دہشت گرد کہنے کی اجازت دیتی ہے؟ کیا کوئی فطرت غیر انسانی ہے؟ کیا وہ مجرم ہیں؟ کیا اپنی عزیز چیز کا دفاع کرنا جرم ہے؟ کیا آج تک اپ نے دیکھا ہے کسی بھی مدافع کو دہشت گرد کہا گیا ہو؟ ہمیں حرم حضرت زینبؑ

ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے اور ہم مرتبے دم تک اسکا دفاع کریں گے!

جب ۲۷ فروری ۲۰۱۹ کو سکارڈن لیڈر حسن محمود صدیقی اور وگ کمانڈر نعمان علی نے بھارت کے طیاروں کا مقابلہ کرتے ہوئے وطن عزیز کا دفاع کیا تو انہیں قوی ہیر و کہا گیا جب کہ نبیوں کے ساتھ ان کا سلوک اس کے بر عکس ہے، آخر کیوں؟

آخر کیوں وطن عزیز کا یا حرم ثانی زہراء سلام اللہ علیہا کا دفاع کرنے والے نبیوں کو ہی نشانہ بنایا جاتا ہے؟ کیوں؟ اگر یہ دہشت گرد ہیں تو انہیں عذالتوں میں پیش کیا جائے اور سزا دی جائے مگر ایسا نہیں ہے، بلکہ جبری طور پر وہ گمشدہ ہیں، وہ اس لیے کیونکہ وہ دہشت گرد نہیں ہیں بلکہ حرم سیدہ سلام اللہ علیہا کے محافظ ہیں، یہ ہی وہ جوان ہیں جن کی وجہ سے نواسی رسول ﷺ حضرت زینبؓ

سلام اللہ علیہا کا حرم محفوظ ہے، یہ ہی وہ جوان ہیں جن کی وجہ سے یہودیوں اور صیہونی حکومتوں کی نیندیں حرام ہیں۔

یہ وہ زنبیوں ہیں جو داعش کی آنکھ کا خار ہیں، یہ وہ زندہ ضمیر اور بیدار جوان ہیں جو دشمن کے آگے سینہ تان کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر یہ غیرت مند جوان نہ ہوتے تو اج پاکستان بھی صیہونی حکومت کے تلوے چاٹ رہا ہوتا یا پاکستان بھی امریکا کے زیر تسلط ہوتا، یہودی ہمارے حاکم ہوتے اور ہم محاکوم، یہ وہ زنبیوں ہیں جن کی وجہ سے آج ماؤں کی گودیں آباد ہیں، یہ زنبیوں ہی وہ جوان ہیں جن کی وجہ سے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا عالمی دہشت گردوں سے محفوظ ہے، یہ وہ زنبیوں ہیں جنہوں نے داعش کے درندوں اور قصاب صفت افراد کے دانت کھٹے کئے ہیں، شام ہو کہ عراق، یمن ہو کہ فلسطین، لبنان ہو یا پاکستان ان جوانوں نے ہر مجاز پر داعش کو ناکوں پنچ چوائے ہیں۔ دنیا تو داعش جیسے وحشیوں سے واقف ہے۔ یہ داعش وہ ہیں جس نے نہ جانے کتنی ماؤں سے ان کے اکبروں کو جدا کیا ہے، یہ وہ درندے ہیں جنہوں نے ماؤں کے سامنے ان کے جگر کے ٹکڑوں کو پارہ پارہ کیا ہے۔ یہ وہی داعش ہیں جنہوں نے ۳/جوری کو مجھ (بوجستان) میں ہزارہ کے جوانوں کو اس حال میں ذبح کیا کہ جب وہ دن بھر کی مشقت کے بعد تھک ہار کر سوئے تھے۔ یہ درندے ہیں۔ انہیں سوائے قوتِ زینبیٰ کے کوئی نہیں روک سکتا، یہ امریکا، اسرائیل کے پاتوں جس العین جانور ہیں جو کہ امتِ مسلمہ کی چیز پھاڑ کرنا چاہتے ہیں، لیکن ہم انہیں اس عمل کی اجازت نہیں دیں گے۔ ان کا مقابلہ صرف زنبیوں ہی کر سکتے ہیں جو قوتِ حیدری، شجاعتِ عباسی اور عزمِ زینبیٰ رکھتے ہیں۔

زنبیوں ایک گروہ نہیں بلکہ ایک جذبہ ہے جو ہر زندہ ضمیر، غیرت مند اور بیدار جوان میں پایا جاتا ہے۔ مکتب اہل بیت علیہم السلام کا ہر جوان زنبیوں کا حصہ ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت چاہے انکا ہتھیار بندوق ہو یا قلم چاہے انکا مجاز داعش کا اڈہ ہو یا سوش میڈیا، ہر فرد زینبیٰ ہے اور اپنے مجاز پر اپنے اسلحہ سے لیس کھڑا ہے، جان لو! ہم سب زنبیوں ہیں (کلنائز زنبیوں)

غازی کے وفا دار ہیں لبیک یا زینب
 جان دینے کو تیار ہیں لبیک یا زینب
 سب زینبی کردار ہیں لبیک یا زینب
 روزہ پہ فداکار ہیں لبیک یا زینب
 ہم برس پیکار ہیں لبیک یا زینب
 لشکر سمجھی تیار ہیں لبیک یا زینب
 قاتل بھی خبردار ہیں لبیک یا زینب

حقیقت تو یہ ہے کہ صیہونی اصل میں نہبیون سے نہیں بلکہ اسکے چند الفاظ زی ن ب (زینب) سے خوفزدہ ہیں۔ انہیں خوف ہے کہ زینبی کردار انکی تباہی کی وجہ نہ بن جائے اور انکا تخت و تاج نہ المٹ جائے۔

نہبیون محا فظین پاکستان!

تحریر: شاہد عباس ہادی

کوئی ریاست اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک وہ دفاعی صلاحیت نہ رکھتی ہو۔ دفاعی صلاحیت کا پہلا محور و مرکز جوان ہیں۔ کسی بھی ملک یا ریاست کی علمی، ثقافتی، سیاسی اور دفاعی ترقی کی بات ہو تو اس کا نقطہ آغاز جوان ہوتے ہیں۔ گویا ریاست جیسی عمارت کی پہلی لینڈ جوان ہیں اور یہ عمارت اسی اینٹ پر قائم ہے۔

پاکستان کے دشمن چاہے وہ بھارت ہو، تکفیریت ہو یا عالمی صیہونی طاقتیں ہوں، ان کو ہر کوشش میں مند کی کھانی پڑی ہے۔ یہ طاقتیں پاکستان کے امن و امان سے خوفزدہ ہیں اسلئے آج یہ لوگ داعش کے اثر و نفوذ کو پاکستان میں بڑھانا چاہتے ہیں بلکہ ایک ایسی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں

جسکے آفیوودی ہوں، ایک ایسا پاکستان جس کو اسرائیل سے تعلقات میں عارضہ ہو، جس کا مسلم دنیا میں یہودی کٹھپلی سے زیادہ کردار نہ ہو۔

تکفیریت اور عالمی صیہونی طاقتیں جب تک اپنا راجح قائم نہیں کر لیتی اس وقت تک خون بہاتی رہیں گی۔ جس کیلئے داعش جیسی خونخوار تنظیم ان طاقتوں کا خطراں کا ہتھیار رہا ہے جس نے مسلسل مسلمانوں اور انسانیت کا خون بہایا ہے۔ اسرائیل، امریکہ، سعودیہ اور نام نہاد عرب حکمرانوں نے داعش کی دل کھوں کر مدد کی اور اس خونخوار لشکر کو بطور عالمی ہتھیار چن لیا تاکہ عالم انسانیت کو ذبح کر کے ایک شیطانی یہودی ریاست قائم ہو سکے۔

اگر پاکستان کی حفاظت مقصود ہے تو داعش جیسے وحشی لشکروں کا سد باب ضروری ہے۔ یاد رکھیں اگر ان وحشیوں کے خلاف قیام نہیں کریں گے تو یہ صیہونی تمہیں غلامی اختیار کرنے پر مجبور کر دیں گے۔ ان درندوں کا واحد حل صرف اور صرف مقاومت و مراجحت ہے، ان کا حل وہ جوان ہیں جو اسلامی مقاومت کے پرچم کو تحامے ہوئے ہیں، جنہوں نے عراق و شام میں داعش کو شکست سے دوچار کیا۔ داعش جیسے درندوں کا حل زنبیوں جیسے جوان ہیں جنہوں نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر داعش کو نابود کیا۔ زنبیوں کے جوان عالم اسلام اور عرب دنیا میں پاکستان کا ناز ہیں، پاکستان کا فخر ہیں، یہ جناح و اقبال کے نظریاتی مملکت کے غیرت مند فرزند ہیں، یہ پاکستان کیلئے حقیقی دفاعی لائن ہیں۔ ان محبوں وطن جوانوں پر دہشتگردی کا الزام پاکستان سے غداری کے مترادف ہے۔ اگر کسی محبوں وطن کا غیر ملک جا کر جنگ لڑنا وہ دہشتگردی ہے تو سعودیہ میں یمن کے خلاف لڑنے والے پاکستانی بھی دہشتگرد ہیں۔ یمن و افغانستان میں لڑنے والے لاڈلے مجاہدین آئے روزا من و سلامتی کو تھس نہیں کرتے ہیں اور پاکستان میں بھی دہشتگردی کے کئی واقعات میں ملوث نظر آتے ہیں جبکہ زنبیوں سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے حرم کا دفاع کرتے ہیں، عالم اسلام پر جھیٹتے داعش جیسے خونخوار درندوں کو شکست دیتے ہیں، اسلام و انسانیت کا تحفظ کرتے ہیں۔ ان جوانوں نے کبھی پاکستان

پر خود کش بم دھماکے نہیں کیے، ان جوانوں نے کبھی وطن عزیز کے خلاف بات تک نہیں کی بلکہ ہمیشہ سے محب وطن ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ نبیوں کے یہ جوان وطن عزیز پاکستان کی محبت میں لبریز ہیں، ان جوانوں کی پہلی ترجیح پاکستان اور اسکے سرحدوں کی حفاظت ہے۔

نبیوں داعش کے خلاف سیسے پلاٹی ہوئی دیوار ہیں۔ 8 سال قبل جب دنیاۓ اسلام میں گونج اٹھی کہ تکفیری دہشتگرد اپنے ناپاک عزم کے ساتھ شام و عراق میں حملہ آور ہو گئے ہیں اور صحابہ کرام کے قبروں کو مسماڑ کر چکے ہیں اور اب اعلان کر چکے ہیں روضہ مقدس سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو گرا کر شام و عراق پر قابض ہو جائیں گے تو اس وقت پاکستان کے بہادر ووفادار بیٹوں نے حریت و حمیت کا ثبوت دیا اور داعش کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ شام و عراق میں داعش جیسے خونخوار لشکروں کو نابود کیا۔ آج بھی داعش جیسے وحشی درندے نبیوں کے نام سے کانپ اٹھتے ہیں۔ پاکستان پر حملہ آور ہوتی داعش کو ناکام بنانے میں نبیوں کے یہی جوان فرنٹ لائن پر نظر آئیں گے، پاکستان کی حفاظت کیلئے یہ جوان جان خچاور کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اگر داعش نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کی ٹھان لی ہے تو مادر وطن کے تحفظ کیلئے ہر گھر سے نبیوں نکلیں گے۔

نبیوں مدافعین یاد ہشتگرد

تحریر: مہر عدنان حیدر

اگر آپ کاسی جگہ سے گزر ہو اور وہاں جنگ چل رہی ہو اور آپ سے کہا جائے کہ دونوں لشکروں کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیں کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق۔ کون ظالم ہے اور کون مظلوم تو سب سے پہلے آپ دونوں بر سر پیکار لشکروں کے نظریات معلوم کریں گے اور اس کے بعد ہی آپ حق اور باطل، ظالم اور مظلوم کا فیصلہ کریں گے۔ یہی فارمولہ ہم داعش اور اس کے مقابلے نبیوں جیسی عسکری تنظیموں کے بارے میں لگاتے ہیں۔ جو داعش کے مقابلے کے لیے بنائی گئی۔

تاکہ جان سکیں کہ کون حق پر ہے اور کون حق پر نہیں۔ کس نے کسی پر ظلم کیا ہے اور کون حقیقی مظلوم ہے۔ داعش جودولت اسلامیہ عراق و شام کے نام سے موسم ہے۔ ایک شدت پسند سلفی عقلائی پر بنی عسکری تنظیم ہے۔ جو اپنے سواہر دوسرے مسلمان کو کافرا و راجب التقلیل قرار دیتی ہے۔ یہ تنظیم امریکا، اسرائیل اور عرب ممالک کی حملات سے 2003ء کے قریب وجود میں آئی جبکہ اس تنظیم کی قتل و غارت کا آغاز 2014ء میں شام سے ہوا۔ داعش کے قیام کا مقصد اسرائیل کے استحکام کے ساتھ ساتھ خطے میں امریکا خلاف حکومتوں کو کمزور کرنا تھا۔ اس لیے کوئی بھی مسلمان اس شدت پسند تنظیم کو مسلمان نہیں سمجھتا، سوائے چند عکفیری دہشت گروں کے کہ جن کا مقصد مسلمان کو کمزور کرنا اور اسلام کے حقیقی چہرے کو مسخ کرنا ہے۔ البتہ چند عکفیری دہشتگرد داعش کے ہمنوا بھی ہیں اور کوئی بھی مسلمان داعش جیسے اعتقادات نہیں رکھتا۔ داعش عکفیری نظریات کی حامل ہے، جو کعبہ سمیت انیاء، صحابہ اور اوصیاء کے مزارات کو مسماں کرنا پاہنادین سمجھتی ہے۔

اگر کسی کو میری بات کی تائید چاہیے تو وہ انٹرنیٹ سے داعش کے نام نہاد خلیفہ ابو بکر بغدادی کا انٹر ولڈ کیلیں، جس میں انہوں نے خانہ کعبہ کو بھی مسماں کرنے کی دھمکی دی ہے، جبکہ ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ زہبیوں اور دیگر عسکری تنظیموں نے صرف مقامات مقدسہ کا دفاع کیا ہے بلکہ داعش جیسے خونخوار درندے کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا اور ساتھ ہی امریکہ اور اسرائیل جیسے لعین ممالک کو شکست دی ہے۔ یہی نہیں کوئی بھی ذی شعور انسان اس حقیقت کی تائید کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر زہبیوں داعش کو عراق کی سر زمین پر شکست نہ دیتے تو داعش پاکستان تک پہنچ چکی ہوتی اور پاکستان داعش سے مقابلہ کر رہا ہوتا۔

خیر میراں لوگوں سے سوال ہے جو حقیقت کو مسح کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور زہبیوں پر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے ہیں۔ وہ بتائیں کہ داعش کے بارے میں کیا نظر یہ رکھتے ہیں؟ کیا داعش نے جوانیاء اور صحابہ کی قبروں کو مسماں کیا ہے، وہ ٹھیک کیا۔؟ کیا داعش نے اسلامو فویبا

میں کردار ادا نہیں کیا۔ جبکہ نبیوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا، پھر داعش سے اتنی ہمدردی اور نبیوں سے اتنی نفرت کیوں۔ میرے خیال سے فرق صرف غلط تشریح کا ہے، کیونکہ بتانے والے نے ہمیں صحیح نہیں بتایا اور تشریح کرنے والے نے ہمیں اور الجھن کا شکار کیا۔ ورنہ نبیوں کے جوان ہمارا حقیقی اٹاٹہ ہیں۔

ستار علوی سے نبیوں تک غیرت مند پاکستان کا سفر

تحریر: محمد سلمان مہدی

ستار علوی کون ہیں؟ پاکستان کی فضائی افواج کے پائلٹ افسر جنہوں نے 1973ء کی جنگ میں عرب ملک شام کے دفاع میں جنگ میں حصہ لیا اور اسرائیلی حملہ آور طیارہ مار گرا یا۔ نبیوں کون ہیں؟ ان غیرت مند پاکستانیوں کی تنظیم جو شام کے مقدس مقامات کو اسرائیلی بلاک اور اس کے پر اکسی دہشت گردوں کے حملوں سے بچانے کی دفاعی جنگ میں اپنا حصہ ڈالنے لگئے ہیں۔ شام کی حکومت کی نظر میں ان کی حیثیت وہی ہے، جو جناب ستار علوی صاحب کی تھی۔ یعنی وہاں ان کی موجودگی قانونی ہے۔ شام ایک آزاد و خود مختار عرب ملک ہے، جہاں ایک علوی صدر ہے، ایک سنی عرب وزیر اعظم ہے اور دیگر اعلیٰ ترین ریاستی حکومتی عہدوں پر اکثریت سنی عربوں کی ہے۔ شام میں باقاعدگی کے ساتھ ایکشن ہوتے ہیں۔ وہاں عوام کے برادرست ووٹوں سے منتخب اراکین پر مشتمل پارلیمنٹ ہے اور وہاں کا صدر بھی عوام ہی کے برادرست ووٹوں سے منتخب ہوتا ہے۔ جس وقت ستار علوی نے شام کی دفاعی جنگ میں حصہ لیا تھا، تب بھی ایک علوی ہی شام کا صدر تھا۔ اب جب نبیوں وہاں ہیں، تب بھی ایک علوی ہی شام کا صدر ہے۔

اب پر الہم کیا ہے؟ پر الہم اسرائیلی بلاک اور اس کے جھوٹے مبلغین ہیں۔ جب جب شیعہ مسلمانوں سے متعلق جھوٹ پھیلایا جائے گا تو حقائق پر مبنی منه توڑ جواب بھی دیا جاتا رہے گا۔ فیکٹ

چیک کریں تو شام میں سنی عربوں اور علویوں کے تعلقات بہترین ہیں۔ علوی صدر کی زوجہ سنی عرب ہیں۔ سنی و علوی مردوخواتین کے مابین شادیاں وہاں عام رواج ہے۔ وہ عرب ہیں اور اسی شناخت پر انکا اصرار ہے۔ لیکن پاکستان میں کافی بینی جھوٹوں کے ٹولے عرب ملک شام سے متعلق اتنا جھوٹ بولتے ہیں کہ الامان الحفیظ۔ اس لیے فیکٹ چیک کرتے ہیں اور زینبیون سے متعلق حقائق کی تہہ تک پہنچتے ہیں۔ چونکہ یہ پاکستانی ہیں اور ان کے خلاف اردو زبان میں جھوٹ پر مبنی غلط معلومات کی بہتان ہے، اسی لیے ہم اس معاملے کو پاکستان ہی کے تناظر میں دیکھیں تو بھی با آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ حقائق کیا ہیں۔

سب سے پہلا سوال یہ کہ کیا کسی پاکستانی کا کسی دوسرے ملک جا کر جنگ لڑنا، کیا زینبیون کوئی پہلی تنظیم ہے، جس نے یہ کام کیا ہے؟ تو اس کا جواب ہے بالکل نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستانیوں کی بہت سے دیوبندی اور وہابی و اہل حدیث مسلم مذہبی تنظیموں نے افغانستان میں جا کر جنگ میں حصہ لیا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ زینبیون نے جس ملک جا کر یہ کام کیا ہے، یہ اس حکومت و ریاست کی اجازت سے کیا ہے۔ لیکن جو پاکستانی افغانستان کی جنگ میں حصہ لینے لگے تھے، وہ اس ملک کی حکومت کے خلاف جنگ لڑنے لگئے تھے اور در حقیقت وہ امریکی حکومت کی قیادت میں لڑی جانے والی مغربی زیلو نسٹ بلاک کی سوویت بلاک کے خلاف ایک پر اکسی وار تھی اور اسکا اعتراف امریکی سی آئی اے کے اس وقت کے ایک افسر گیری اسکروئن نے اپنی کتاب دی فرسٹ ان میں کیا ہے۔ امریکی زیلو نسٹ بلاک کے وہ پر اکسی پاکستانی جاہدین کہلاتے۔ نہ تو یہ پاکستانی افغانستان میں کسی مزار شریف کو بچانے لگئے تھے اور نہ ہی کسی اور مقدس مقام کو۔

پاکستانی بوسنیا بھی گئے اور کچھ فرق کے ساتھ دیگر ممالک میں بھی جاتے رہے اور اسی عرب ملک شام کی منتخب جمہوری حکومت اور پوری ریاست کے خلاف اسی امریکی زیلو نسٹ سعودی بلاک کی جنگ لڑنے والے پر اکسی گروپس میں پاکستانیوں کی بھی ایک قلیل تعداد وہاں کی حکومت نے کنفرم کی

تھی۔ حتیٰ کہ چانسے بھی جھٹے گئے اور چانسکی حکومت نے ان کے خلاف شام کی حکومت کے ساتھ مل کر کاؤنٹر اقدامات بھی کیے۔ عرب ملک شام کے خلاف اس سازش کا اعتراف اس وقت کی امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن نے اپنی یادداشتوں پر مشتمل کتاب ہارڈ چو اسز میں کیا۔ اس دور میں لیون پنیٹا سی آئی اے کے سربراہ بھی رہے اور وزیر دفاع بھی۔ انہوں نے وردی فائٹس نامی اپنی یادداشتوں پر مشتمل کتاب میں تحریر کی۔ یعنی یہ امریکی اسرائیلی اور عرب اور نیو اتحادی ممالک کی مشترکہ پر اکسی وار ہے، جو شام کی عرب جمہوری ریاست و حکومت کے خلاف لڑی جا رہی ہے۔

شام سے یہ ممالک کیوں نہ ارض ہیں، کیونکہ یہ واحد عرب ریاست ہے جو فلسطین کی آزادی کے کاڑ سے مخلص ہے۔ شام کے ایک حصے جولان پر اسرائیل کا غیر قانونی قبضہ ہے۔ یہ اسرائیل سے جولان کی غیر مشروط آزادی کی قائل ہے جبکہ امریکی اسرائیلی عرب بلاک اسرائیل کو تسلیم کروانے کی شرط رکھتے آئے ہیں۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ مقبوضہ عرب علاقوں کی اسرائیل کے غیر قانونی قبضے کو آزاد کرنے والی حماس، حزب جہاد اسلامی اور حزب اللہ کی مدد بھی کرتی ہے۔ جب اردن میں حماس کے خالد بیشاں کے کان میں زہر ڈال کر مارنے کی کوشش کی گئی تھی تو یہ عرب ملک شام ہی تھا، جس نے حماس کی قیادت کو محفوظ پناہ گاہ دی۔ شام پر امریکی زائونسٹ عربی غربی بلاک کا دباؤ یہ بھی ہے کہ وہ فلسطین ولبان کے مقبوضہ علاقوں کی آزادی کے لیے سرگرم مسلح تحریکوں کی حملیت اور مدد نہ کرے۔ اس زاویے سے دیکھیں تو زندیوں غیرت مند پاکستانی قوم کی طرف سے آزادی بیت المقدس کی جنگ ہی کے ایک محاذ پر مصروف عمل ہے۔ سوال تو ان سے ہونا چاہیے کہ جو بیت المقدس کی آزادی کی جنگ لڑنے والوں پر جھوٹے الزامات لگا کر عوام الناس کو گمراہ کر رہے ہیں۔

ایک تو یہ خود اسرائیلی بلاک کے دفاع میں مصروف رہتے ہیں اور دوسرا پاکستانی قوم کے اپنے امیج کو دہشت گردی اور تکفیریت سے داغدار کرتے ہیں۔ ان میں اور زندیوں دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ داعش، القاعدہ، سپاہ صحابہ الشکر جہنگوی (یعنی مولوی لدھیانوی، اور گنگیب فاروقی،

معاویہ اعظم و آن جہانی ملک اسحاق وغیرہ کی) یہ سب پاکستانیوں کی قاتل دہشت گرد تنظیمیں ہیں۔ یہ جی اتیج کیو، پاک فضائیہ اور پاک بحریہ کی تھیں بات پر دہشت گردانہ حملے کرنے والی تنظیمیں ہیں۔ انہوں نے سنی تحریک کے قائدین کو شہید کیا ہے۔ انہوں نے شیعہ مومنین کو شہید کیا ہے۔ انہوں نے مساجد، مزارات، کلیسا، مندر سمجھی پر دہشتگردانہ حملے کیے ہیں۔ انہوں نے سری لکا کی کرکٹ ٹیم کو نہ بخشنا۔ انہوں نے پاکستانی فوجیوں اور پولیس الہکاروں کو نہ بخشنا۔ ان کی دہشت گردی سے پورا پاکستان تباہ ہوا۔ یہ افغانستان میں امریکی جنگ کا ایندھن بنے تو پاکستان کو اسی ہزار جانوں کا نقصان ملا، دوسو بلین ڈال رکامی نقصان ملا۔ نفر تین، تعصبات، آدم بوبم بارود و حشی مولوی اور ان کے جنوں پیروکار ملے۔ اسلام، مسلمان اور پاکستان تینوں کو عالمی سطح پر بدنام کیا گیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال کے عظیم نظریاتی پاکستان کے سافٹ اتیج پر دہشت گردی و جنونیت کا ایسا داغ ایسا دھبہ لگادیا کہ جو مٹائے نہیں مٹ رہا، اتارے نہیں اتر رہا۔

افغانستان اور پاکستان میں نہ ہبی دہشت گردی کا بانی سعودی عرب ہے۔ سعودی شہریوں کی القاعدہ تنظیم امریکا کی افغان پراکسی وار کے دوران بنی اور اسی دور میں حق نواز جہنگوی (لعنۃ اللہ علیہ) کی تکفیریت ظاہر ہوئی۔ پڑھے لکھے جاہلوں سے پوچھیں تو کہیں گے کہ ضلع جہنگ کے شیعہ زمینداروں کی وجہ سے انہم سپاہ صحابہ بنی۔ فرض کر لیں کہ اگر ایسا ہی تھا تو ضلع جہنگ کے شیعہ زمیندار فیصل صاحب حیات کے ساتھ حق نواز جہنگوی کے مشن کا جانشین، مولوی لدھیانوی کا پیشو و اور معاویہ اعظم کا باب اعظم طارق پرویز مشرف کی جرنیلی حکومت میں ایک ساتھ کیسے بیٹھ گئے؟ کوئی شرم کوئی حیا ہوتی ہے! اور اسی پر بس نہیں کرتے۔ یہ آج تک کن کے خلاف بولتے ہیں، ان شیعہ اسلامی مراجعین اور خاص طور پر ولی فقیہ امام خامنہ ای صاحب کے خلاف کہ جنہوں نے امہات المومنین کی اہانت کو حرام (ممنوع) قرار دیا ہے۔

زینبیوں کے پاکستانی جوان تو اس ولی فقیر آیت اللہ اعظی سید علی حسینی خامنہ ای کے مقلد ہیں اور آصف علوی کو جس حکومت نے مجلس پڑھوائی، اس کی گود میں انجمن سپاہ صحابہ (راہ حق پارٹی) اسی کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے اور اسی حکومت کی تائید کرتی ہے۔ كالعدم اور دہشت گرد ہونے کے باوجود ریاست پاکستان، پاکستانیوں کے ان قومی قاتلوں کو پروٹوکول دیتی ہے اور یہ پاکستانی قوم کے سفاک قاتل دہشت گروز زینبیوں کے خلاف جھوٹ بول بول کر اسرائیل اور سعودی عرب کی بولی بولتے ہیں۔ یہ سعودی سفیر کے مہمان بنتے ہیں۔ کھلیل تو شروع سے واضح ہے۔ یہ تکفیری ہم سے مبالغہ کر لیں، اس بات پر کہ شام میں سعودی عرب سمیت اسرائیل بلاک کے ان مسلمان نما عرب ممالک سے زیادہ جمہوریت اور آزادی ہے، تو میرے اردو زبان دوستوں اور خاص طور پر میرے پاکستانی بھائیوں اور بہنوں، ان کے جھوٹ کو پھیلانے سے گریز کریں، کیونکہ اللہ نے کاذبین پر لعنت کی ہے۔ لعنتی بننے سے بچیں۔

زینبیوں عالم اسلام و عرب میں پاکستان کا ناز ہیں، پاکستان کا فخر ہیں۔ یہ جناح و اقبال کی نظریاتی مملکت کے غیرت مند فرزند ہیں۔ یہ پاکستان کے لیے خطرہ نہیں بلکہ حقیقی دفاعی لائن ہیں۔ یہ ستار علوی کی میراث کے وارث ہیں۔ زینبیوں ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا اور جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے روحانی بیٹے ہیں۔ یہ بی بی زینب سلام اللہ علیہا (حرم آل رسول اللہ طیبۃ النبیوں) کے دفاع کی جنگ میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ حجر بن عدی اور حضرت اویس قرنی جیسے نامور بزرگان اسلام اور صحابہ کرام کے مزارات کو دہشت گردانہ حملوں سے بچانے کے لیے یہ پاکستانی زینبیوں تاریخ اسلام کے ماتھے کا حسین جھومر ہیں۔ انہوں نے پاکستانی قوم کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ اب اگر عرب اسٹریٹ پر، عرب رائے عامہ میں، فلسطین میں بیت المقدس میں مسلمانوں عربوں کی نظر میں پاکستان کا اچھا تمجح ممکن ہے تو وہ انہی زینبیوں کے دم سے ہے، ورنہ تو سوائے تکفیری دہشت گردی کے پاکستان کی عالمی سطح پر اب کوئی دوسری بپھان ہے؟! الحمد

اللہ رب العالمین کہ زنبیوں نے ہماری طرف سے جہاد کفائی میں حصہ لے کر ہمیں گناہگار ہونے سے بچالیا اور میں پاکستان کی سکیورٹی اسٹبلشمنٹ سے فقط اتنا عرض کروں گا کہ پاکستانیوں کی موجودہ نسل کو انڈر ایسٹیمیٹ مت کریں۔ جس ملک میں تکفیری دہشت گرد لدھیانوی کو پر و ٹوکول ملے، وہاں تو زنبیوں کے قدموں کی خاک بن کر رہوت بھی کم ہے۔!

زنبیوں ہی سچے پاکستانی ہیں

سویرا: تول

اگر انسانی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو ازال سے حق و باطل کو ایک دوسرے کے مقابل دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت آدم ہوں یا شیطان، ہابیل ہوں یا قابیل، موسیٰ ہوں یا فرعون، ابراہیم ہوں یا نمرود، حسین ہوں یا یزید فقط دوہی کردار نظر آتے ہیں۔ اگر سن ہجری کے عوام با بصیرت ہوتے تو کبھی بھی سبطِ پیامبر سرز میں کربلا پر تشنه لب ذبح نہ کیے جاتے۔ مگر سوال یہ ہے کہ حق کی پہچان کیسے کی جائے؟ اگر جانا چاہتے ہو کہ حق کدھر ہے تو دیکھو کہ باطل کے تیروں کا رخ کس سمت ہے۔ آج تمام دنیا دیکھ لے کہ تمام سامراجی طاقتیں کارخ کس سمت ہے، اس سے حق کو جو بُلی پہچانا جاسکتا ہے۔ زنبیوں جو نہ صرف مکتبِ تشویج بلکہ اہل بیت الطہار سے مودت رکھنے والے ہر باخmir انسان کا فخر ہیں، پر آئے روز بے نیاد الزمات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے۔ کبھی یہ کہا جانا کہ یہ ملک کے لئے سکیورٹی تحریث ہیں یا فلاں پر وجیکٹ کے لیے خطرہ ہیں، جبکہ اس کے بر عکس آج تک زنبیوں کو نہ صرف پاکستان میں بلکہ کسی بھی ملک میں کالعدم قرار نہیں دیا گیا۔ حتیٰ کہ اقوام متعدد نے بھی کالعدم قرار نہیں دیا، پھر انہیں دہشتگرد کیوں کہا گیا؟ ہم نے ہزاروں لاشے اٹھائے ہیں، اگر ریاستی دہشتگردی کے خلاف بر سرِ احتجاج آئیں تو بلیک میلر کہا جاتا ہے اور اگر اپنے مقدسات کا دفاع کریں تو

وہ شنگر و قرار دیا جاتا ہے۔ حقیقت میں زینبیون نہ صرف محین و طن ہیں بلکہ مخالفین و طن بھی ہیں اور یہ گروہ کسی بھی طرح ملکی سالمیت کے لیے خطرہ نہیں۔

مگر آج تک یہ نہ سوچا گیا کہ دسیوں سال سے خونخوار داعش کا وہ پودا جو امریکہ سے لیکر عرب ریالوں، عجم شیکنا لو جیز اور اسلحہ کے ساتھ لیس ہو کر کئی سالوں سے جہاد کے نام پر بڑا کیا گیا، جس کے ہاتھ ہزاروں مسلمانوں کے خون سے رنگیں ہوئے اور وہ حشی درندے جو عرصہ دراز سے انسانیت کا قتل عام کر رہے ہیں، خون کی ندیاں بہار ہے ہیں اور سر عام دندناتے پھر رہے ہیں، وہ آج تک اتنی عظیم تعداد اور عظیم وسائل کے باوجود نہ تو کسی استیثت کے لیے سکیورٹی تحریث بنے اور نہ ہی آج تک کسی کوان سے کوئی خطرہ محسوس ہوا۔؟

داعش حرم سیدہ زینب سلام علیہا کے پانچ سو میٹر قریب تک آچکی تھی۔ گھمسان کی جنگ ہوئی، حرم کے اطراف کی جگہیں تباہ کی گئیں۔ حرم کی دیواروں پر گولے لگے، اس صورتحال میں جب آپ کی غیرت و حمیت پر حملہ کیا جا رہا ہو تو ایسی صورت میں جان کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اسی نظریہ کے تحت مدافعین حرم نے قربانی پیش کی۔ انہیں خارج عقیدت پیش کیا جانا چاہیے کہ انہوں نے اسلام کی حرمت اور تقدس کی حفاظت کی۔ یہ مدافعین حرم ہی تھے، جو صحبویت کے خلاف سیسیہ پلائی دیوار کی طرح ڈلے رہے، جنہوں نے آمری کا محاصرہ توڑ کر نبل وال زہراء، فوعل و کفریاء، دیر الزور اور حلب، فلوجہ، بلد و موصل کو آزاد کر دیا کہ بچوں کے لبوں پر مسکراہٹ سجائی۔

آج کی کرب و بلا کے محافظ باکردار ہیں نہیں
عزیم حسینی، عزم خیمنی کی لکار ہیں نہیں
مکنیہیت بھاگ رہی ہے ہم مختار ہیں نہیں
زینبؓ کے روشنے پر شہادت کو تیار ہیں نہیں

زندگیوں وہ حسین جوان تھے، جو مثل شہنشاہِ فُقَائِنے وعدے کو وفا کر گئے اور کیا خوب اپنے وعدے کی لاج رکھی کہ اے بنتِ علیٰ! ہم آپ کو دوبارہ اسیر نہ ہونے دیں گے۔ کسی دشمن کو ہر گز اجازت نہ دیں گے کہ وہ ایک دفعہ پھر آپ سلام علیہا کے خیام کی طرف بڑھے۔ ایک دفعہ پھر آپ کے خیے کو آگ لگائے اور خانوادہ عصمت و طہارت کو بے ردا کرے۔ یہ کربلاً شعار تھا، وہ مٹھی بھر عشقان اپنے وعدوں کو وفا کر گئے اور ہم اتنی بھی اخلاقی جرات نہیں رکھتے کہ اُنکے حق میں دو لفظ بول سکیں۔

نبل وزہرا میں پاکستانیوں کا کردار

تحریر: عظیم شمسی

آج سے 5 سال قبل شام کےدواہم قصبوں نبل وال زہراء کی تاریخ سب سے اہم ہیں۔ 2016ء میں یہ دو شیعہ اکثریتی علاقہ سماڑھے تین سالہ شدید محاصرہ سے نکل آئے۔ یوں دیکھا جائے تو ملک شام میں شیعہ کی کوئی خاطر خواہ تعداد نہیں ہے۔ جیسے علوی (نصری) وہاں 15 فیصد تک ہیں شیعہ 1 فیصد سے بھی بہت کم ہیں۔ دمشق میں سیدہ زینب کا چھوٹا سا علاقہ، لبنان کی سرحد کے قریب قصیر اور اسکے چند گاؤں، حس شہر میں ایک محلہ اور لاذقیہ کے دو گاؤں کے علاوہ بس یہی دو قبیلے گنتی میں آتے ہیں جہاں شیعہ آبادی ہے۔ جب 2011ء میں مغربی اور خلیجی ریاستوں کی ایام پر صدر بشار الاسد کے خلاف یغادر ہوئی تو بہت سے علاقہ فوراً ہی تکفیری گروہوں کے ہاتھوں میں چلے گئے۔ البتہ شیعہ علاقہ ایسا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ انہوں نے ٹرک ڈرائیوروں کے مارے جانے اور دمشق میں شیعہ آبادیوں پر محلہ کے ننانج دیکھ لیے تھے۔ ایسے میں جب فروری 2012 سے جولائی 2012 میں حلب کے محاذ پر پہلے جیش الخُرُسُوری نے اور پھر تکفیری انتہا پسند تنظیموں نے پیش قدی کی تو حلب شہر کے شرقی علاقوں سمیت بہت سے علاقہ شامی حکومت کے ہاتھ سے نکل گئے۔ یہاں

سے شامی فوج کو انخلا کرنا پڑا۔ نہ صرف یہ بلکہ ترکی کی سرحد کے ساتھ کرد علاقوں سے بھی لکھا پڑا۔ ایسے میں یہ دو گاؤں اپنے محدود وسائل کی وجہ سے چاروں طرف سے گھر گئے۔ حلب سے چند کلو میٹر شمال میں ترکی کی سرحد کی جانب واقع یہ دو ہمسایہ قبیلے القاعدہ کی تنظیم حیثیت تحریر الشام اور اسکی ہم پلہ تکفیری تنظیموں کے محاصرہ میں 10 جولائی 2012 سے 3 فروری 2016 رہے۔

ان پر روز چاروں اطراف سے بمباری اور گولہ باری کی جاتی۔ کھانے پینے کی رسمنہ تھی نہ ہی کہیں آمد و رفت۔ تھوڑا بہت جزو میں راستہ ملتا وہ دونوں قصبوں کے شمال میں مقامی کرد جنگجووں سے متصل سرحدی علاقے میں تھا۔ البتہ کرد اپنی مرضی اور تکفیریوں سے اپنے تعلقات کی بنابر ان سے بر تاؤ کرتے۔ چاہتے تو کئی ماہ پچھنہ آنے جانے دیتے اور اگر کرنے دیتے تو بہت مہنگے منہ مانگے داموں پر۔ یہ وہاں کی غریب عوام کے لیے بہت مشکل تھا۔ خوراک سے زیادہ انکے لیے اسلحہ کی ضرورت تھی کہ روز چاروں طرف سے داغے جانے والے راکٹ اور پھر زمینی خودکش بمبار گاڑیوں کے حملوں کا مقابلہ کر سکیں جو روز اسکی حفا ظقی دیوار کو توڑنے کی کوشش کرتے۔

تھوڑی بہت مد شامی فوج کے ہیلی کاپٹر کرتے جب انکے لیے موسم کے باعث اترنا آسان ہوتا۔ ورنہ کبھی ایرانی اور کبھی رو سیوں کے مدد سے ہیلی کاپٹر سے امدادی سامان بذریعہ پیر اشوٹ گرایا جاتا۔ انہی امدادی عملیات کے نتیجہ میں بہت سے ہیلی کاپٹر تکفیری میزائیلوں کا ناشانہ بنے۔ اور پیر اشوٹ کی جانے والی امداد بھی دونوں قصبوں کی 50 ہزار کی آبادی کے لیے بہت کم پڑتی اس لیے وہاں گھاس کھا کر گزار کرنا پڑا حتیٰ کے گھاس بھی ختم ہو گئی تھی۔ اور شدید سردویں میں ایندھن کی فراہمی نہ ہونے سے درخت اور لکڑی کی بھی قلت ہو گی۔ تکفیری حملوں کی وجہ سے باہر قبرستان میں لوگوں کو دفاتر مشکل تھا تو لوگوں کو اپنے پیاروں کو اپنے گھروں میں دفننا پڑا۔

حفا ظقی دیوار کا ایک مسئلہ اور ہوتا کے وہاں پر مسلسل حملے جاری رہتے اور رات کے وقت تکفیری

گروہ تھوڑا آگے آ کر بچوں اور خواتین کو انغو اکر لیتے اور بھی مذاکرات اور تاوان کا مbasسلہ چلتا۔ اس سب کے دوران حزب اللہ کے مختلف دستے بذریعہ ہیلی کا پڑا انتہائی مشکل فائرنگ کے دوران دوبار وہاں اترنے میں کامیاب ہوئے جس سے وہاں کے دفاع کو شہار امال۔ البتہ پاکستانی گروہ کیونکہ اس جنگ میں دیر سے وارد ہوئے اور انکا مرکز مشق میں سیدہ زینب کا دفاع تھا وہ ان قصبوں کے دفاع میں بڑا کردار ادا نہ کر سکتے۔ لیکن اس محاصرہ کو توڑنے کے ماہر بھی پلاٹ اچنار کے 7 سالہ سخت تکفیری محاصرہ چھیلنے والے بھی جوان تھے۔

یہ حالات سال بساں کشیدہ ہوتے رہے حتیٰ کہ ستمبر 2015 میں روسی فضائیہ شام کے محاڈ میں وارد ہوئی۔ ترجیحاتی بنیادوں پر شامی حکومت نے ان تمام علاقوں پر اپنے مضبوط مورچوں سے تکفیریوں کو پیچھے دھکیلا۔

اسی اثنامیں حلب شہر کے اندر کی جنگ شدت اختیار کر چکی تھی جب شیخ نجار کے صنعتی علاقہ پر گھمسان کی لڑائی لڑی گئی۔ اس میں پاکستانی زہبیوں دستے خاص کر کمانڈر شہید سید خوشبو علی کا کردار اہم ترین ہے۔

پھر حلب کے مرکزی جیل کا محاصرہ بھی توڑنا یاد گار ہے۔

البتہ خود نبل وزہر اکا محاصرہ توڑنا آسان نہ تھا، کسی بھی طرح کیونکہ ایک تو یہ علاقے کسی بھی شامی فوج کی پوزیشن سے بہت دور تھے اور دوسرا تکفیری گروہ کا محاصرہ بہت سخت تھا جسکی بڑی وجہ ترکی سے حلب شہر کو آنے والی اہم قوی شاہراہ کا کنٹول انکے ہاتھوں میں تھا۔ ساتھ ہی کردوں سے انکا ایک معاہدہ تھا کہ وہ حلب شہر میں شیخ مقصود نامی گرد محلہ پر حملہ پر جملہ نہیں کریں گے جسکے عوض کردار شامی فوج کو انکے گاؤں تک رسائی کے لیے راہ نہیں دینے گے۔

دسمبر 2015 میں اس خط میں جنگ شدت اختیار کر گئی، البتہ شامی افواج اور دستے پہلے مغرب سے حلب شہر کو محفوظ کر کے پھر شمال کی جانب پیش قدمی چاہتے تھے۔ لیکن زہبیوں کے ان جوانوں

سے یہ مشکل حالات دیکھنے جاتے جس میں اکے ہم پہ شیعan حیدر کرار مصیبت میں تھے۔ وادی کرم کے سات (۷) سالہ محاصرہ کو جھینئے والے اپنے ان ایمانی بھائیوں کا درد بخوبی سمجھ سکتے تھے۔ لہذا کافی مذاکرات اور بات چیت کے بعد مقامی عملیاتی مرکز سے یہ طے ہوا ہے اس محاصرہ کو توڑنے کی کوشش میں سب پاکستانی، حزب اللہ اور دیگر شیعہ گروہ ہر اول دستہ بن کر کردار ادا کر سیگے۔

شامی افواج چاہتی تھیں کے پہلے مغرب پر اپنا مورچہ مضبوط کریں۔ شمال کی جانب پیش قدمی اس لیے بھی مشکل تھی کہ وہاں ترکی سے جو شہراہ آتی وہ سیدھا حلب شہر کے وسط میں تکفیری مورچوں کی رسانی کے لیے اہم ترین تھی جسکو وہ ہر قیمت اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ 2015 کے آخر میں عملیاتی مرکز نے فیصلہ کیا کہ نبل و زھرا کو آزاد کروایا جائے گا اور ترکی سے حلب کے اندر آنے والی شہراہ کو محفوظ کیا جائے گا۔ یہ عمل باقاعدہ شامی فوج کی مدد سے ہو گا البتہ ہر اول دستے پاکستانی زینبی جوان اور حزب اللہ سے ہوں گے۔ پاکستانی اس لیے کہ ان کو وادی کرم میں طالبان کا محاصرہ توڑنے کی مہارت حاصل تھی۔

پیش قدمی کے لیے جو راستہ چنانگیا وہ صدر شہراہ سے ہٹ کر تھا جہاں صرف مقامی سڑکیں اور کھیت تھے۔ جتنا یہ راستہ نبل و زھرا حلب کے اندر آتا کی تحریر کے لیے دشوار گزار تھا تاہمی اس راستے میں رکاوٹیں کم تھیں۔ ایسے میں وادی کرم کے تجربہ کار جوانوں سے بہتر کون تھا۔

خوشبو شہادت سید عدیل حسین سے ایک یاد گار جملہ منسوب ہوا

"عاشقان ایستادہ می میرند"

عشق کرنے والے کھڑے کھڑے ہی مر مٹتے ہیں۔

یہ زینبی جوان اس قول کا حقیقی مصدقہ تھے۔ ان سے اپنے شیعan حیدر کرار کا کرب و تکلیف دیکھانہ جاتا تھا۔ انکو معلوم تھا کہ کیسے مائیں اور بہنیں توڑ پ رہی ہیں۔ جن بھائیوں سے انکا خون کا

نہیں لیکن ایمانی رشتہ تھا انکی آزادی کے لیے یہ سر پر کفن باندھ کر اپنا گھر بارچھوڑ کر نکلے۔ یہ نہ تو جذبائی تھے ہی دنیا سے تنگ۔ اپنی زندگی اچھی نو کریوں اور آسائشوں میں گزار سکتے تھے مگر انہوں نے اس راہِ عشق کو اختیار کیا۔

آخر کار تغیریوں سے گھمسان کی جنگ کے بعد یہ ہر اول دستہ پہلے زھر اور پھر نبل میں داخل ہوا جہاں کی عوام نے انکا پر جوش استقبال کیا۔ یہ وہی منظر تھا جو کسی مسیح کے آنے پر ہوتا ہے۔ دنیا بے شک ان جوانوں کو جن میں اکثریت شہید ہو گئے بھول جائے۔ لیکن اسکے خانوادوں اور نبل وزھر اکے باسی نسلوں تک یاد رکھیں گے۔

شام کی جنگ میں اب خطرہ ٹل چکا ہے اور حکومت دوبارہ مضبوط ہے۔ لیکن کار زینبی رکا نہیں۔ زینبی جوان اب اپنے اگلے محاذ کے انتظار میں ہیں۔ محاصرہ توڑنے کے ان سپوتوں کا انتظار کوئی اور مسلم آبادی کر رہی ہو گی جیسے کشمیر یا غزہ۔!

باعثِ فخر دہشتگرد

تحریر: کفایت علی رضی

میں ایک ایسی ریاست میں رہتا ہوں جہاں کچھ ایسے دہشتگرد پائے جاتے ہیں جو کہ اپنی سر زمین کے لیے اپنے دین کے لیے اور انسانیت کے لیے فخر کا باعث ہیں۔ ہماری ریاست نے ایسے نوجوانوں کو قرار دیا جو کہ پاکستان کی آئینی اور اسلام کی جہادی آئینی یا لوگی پر پورا اترنے کے لیے میدانِ عمل میں اترے۔

کچھ عرصہ پہلے داعش نے سراٹھیا توپوری دنیا میں ایک پلچل سی مجگئی۔ اس دوران جب سارے خوف کے مارے سہی ہوئے تھے تو ایک قوم ایسی تھی جو میدانِ عمل میں آگے بڑھی اور اس قوم کے

جو انوں نے پوری دنیا سے اس تحریک میں حصہ لیا۔ اس تحریک میں حصہ لینا اسلام کے اس نظریے کو تقویت دیتا ہے جس نظریے کے تحت پُر امن اقلیت کیجان کی حفاظت بھی لازم قرار دی گئی۔

جب پوری دنیا سے نوجوان ایک ایسی تحریک کا حصہ بن رہے تھے کہ جو ایک ایسی سوچ کے خلاف میدان میں اتری کہ جس سوچ کے تحت زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج اہمیت کے حامل ہیں، ایک ایسی دہشتگرد سوچ کے جن کے نزدیک عورت کی ناموس پر ہاتھ ڈالنا جائز ہے، جن کے نزدیک پُر امن شہریوں کے گھروں کو بم کی زد میں لا کر تباہ کر دینا جائز ہے، جن کے نزدیک حاملہ عورتوں کا حمل گر دینا جائز ہے، جن کے نزدیک انسان کو بے جرم و خطا قتل کر دینا سرور کا باعث ہو، جن کے نزدیک بچوں کو قید کر کے بھوکا پیاسار کھانا لطف اندوزی کا سبب ہو، جن کے نزدیک مسلمانوں کی حرمت کو تباہ کر دینا کار ثواب ہو اور اجر کا سبب ہو، جو افکار یزیدی کو پروان چڑھانا پنا مقصدِ حیات سمجھتے ہوں، ان کے خلاف میدان عمل میں اتنا عین اسلام ہے۔ اس ریاست میں بڑے بڑے دعوے کیے جاتے ہیں کہ حرم رسول ﷺ کی پہالی ہر گز برداشت نہ ہوگی مگر عجیب معاملہ ہے کہ حرم رسول ﷺ کے محافظ کو ہی دہشتگرد کہا جا رہا ہے۔ آج بھی جہاں شرق و غرب کے بارے میں بہت کچھ کہا جاتا ہے وہاں اس دور کے پیروان اور حقیقی عزادار ان امام حسینؑ یعنی مدافعین حرمیم و حرم الٰیل المیت علیہم السلام کے بارے میں زبانیں بذریحتی ہیں اور صدائیں اپنے خارج میں دبادی جاتی ہیں اور اگر کوئی آواز اٹھتی بھی ہے تو وہ اس ترجم میں ہوتی ہے جس ترجم کو دشمن پسند کرتا ہے۔ وہ نوجوان جو دہشتگردی کے خلاف لڑے اور اپنے وطن کا نام روشن کیا۔ جنہوں نے اپنی جان کی فکر نہیں کی ان باعث فخر نوجوانوں کو دہشتگرد قرار دے کر ایک لابی کی تلقید سمجھ سے بالا تر ہے۔ شاید یہ تو اسلامی جمہوریہ پاکستان تھا، شاید یہاں دہشتگردی کے لیے جگہ تنگ کرنے کا ولوہ پایا جاتا تھا۔ مگر کیا واجہ ہوئی کہ حرم رسول ص کی فکر ختم اور دہشتگردی کے خلاف تحریک کے دعوے چنانچہ ہو گئے؟ باخد اپنے باطل آقاوں کو خوش کرنے والے کبھی ایک ملت کی شکل اختیار نہیں کر سکتے۔

وہ زندگی جو ملک و قوم کے لیے باعثِ فخر ہے، جو دہشتگردی کی راہ میں رکاوٹ بنے ان کو تسلیم کرنے کی بجائے دہشتگرد قرار دیا جا رہا ہے۔ اگر داعشی دہشت گروں کو عراق اور شام میں شکست نہ دی جاتی تو آج انکا مقابلہ اسلام آباد، کراچی، لاہور اور پشاور کی سر زمین پر کرنے کی تیاری ہو رہی ہوتی۔ مدافعین حرم ہی وہ ہیر وز جنہوں نے پوری دنیا کو عالمی دہشت گروں سے بچایا یہ ہمارے محسن ہیں۔ اگر یہ دہشتگردی ہے تو یہ واضح اعلان ہے کہ مجھے اسی صفت کا نمازی سمجھا جائے۔ خدا انادنوں کو فہم عطا کرے۔ آمین

عصر حاضر میں سبقت لینے والے کون؟

تحریر: ڈاکٹر علی رضا

کسی بھی دور میں جب سبقت لینے والوں کی بات ہوتی ہے تو انھیں درک کرنے کے لئے اس دور کے حالات پر گھری نظر ہونی چاہیے۔ دو ایسی چیزیں ہیں وہ جس گروہ میں موجود ہوں گی وہی سبقت حاصل کرنیوالا ہو گا۔ ۱۔ بصیرت ۲۔ وفا

بصیرت ہی وہ چراغ ہے جسکے ذریعے سے مہم کام کو درک کیا جاسکتا ہے۔ پیچھے رہ جانیوالے ہمیشہ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ابھی ان قدامت کی ضرورت نہیں اور بے جا خطرہ مولینا عقلی فیصلہ نہیں۔ ان تمام اعتراضات اور رکاوٹوں کے بعد جو چیز سبقت لینے والوں کو قانع ہونے سے دور رکھتی ہے وہ اس مقصد سے وفا ہے۔ وفا وہ گوہر ہے جو حیات بخش ہے۔ یہ وہ عشق ہے جو کمال عطا کرتا ہے۔ تو اس دور میں ان وصفات کا حامل جو گروہ ہے وہ پاکستان کی سر زمین پر ”زندگیوں“ ہیں۔ انہوں نے کلناعباسک یازینب کے شعار کو عملی طور پر جاوداں کیا۔ اور اس دور میں حرمت زینب کبری سلام اللہ علیہا کے لئے اپنی جانوں کا نظرانہ پیش کیا۔ اختتم سردار شہادا مدافعین حرم سردار دلہا کے اس قول سے کروزگاکہ ”ایک مومن کی حرمت کعبہ سے بڑھ کر ہے“ تو حرمت

زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا اور اس پاکیزہ سر زمین پر زینبیوں ہی الی لشکر ہے جسے رہبر معظم حضرت آقاسید علی خامنہ ای نے سلام بھیجا ہے۔

داعش کا حل کیا ہے؟

شاہد عباس ہادی

فلم و جور کو ختم نہیں کیا جاسکتا جب تک دفاعی صلاحیت نہ ہو، دفاعی صلاحیت کا محور و مرکز مقاومتی جوان ہوتے ہیں۔ مقاومت ہی کے ذریعے عالمی صیہونی طاقتوں کو شکست فاش کیا جاسکتا ہے۔ یہ طاقتیں عالم اسلام کو تباہ کر دینا چاہتی ہیں، یہ ایک ایسی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں جس کے آقایہودی ہوں، یہ طاقتیں جب تک اپناراج قائم نہیں کر لیتی اس وقت تک خون بھاتی رہیں گی، جس کیلئے داعش جیسی خونخوار تنظیم ان کا خطرناک ہتھیار رہا ہے، داعشی لشکرنے کروڑوں بے گناہ مسلمانوں کا خون بھایا ہے۔ اسرائیل، امریکہ، سعودی وہابیت و تکفیریت اور نام نہاد عرب حکمرانوں نے داعش کی دل کھول کر مدد کی اور اس خونخوار لشکر کو بطور عالمی ہتھیار چین لیا تاکہ عالم اسلام میں بنے والی انسانیت کو ذبح کیا جاسکے اور ایک شیطانی یہودی ریاست قائم ہو سکے۔ انہوں نے شام و عراق کا میدان چنا اور پوری طاقت سے حملہ کیا مگر دنیا نے دیکھا کہ شام میں داعش کو کیسے شکست ہوئی، کس طرح سے مقابلہ ہوا اور کس طرح ہمارے جوانوں نے جان ہٹھی پر رکھ حرم کا دفاع کیا۔ 8 سال قبل جب دنیاء اسلام میں گونج آٹھی کہ تکفیری دہشتگرد اپنے ناپاک عزم کے ساتھ شام و عراق میں حملہ آور ہو گئے ہیں اور صحابہ کرام کی قبروں کو مسماڑ کر چکے ہیں اور اب اعلان کر چکے ہیں کہ روضہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو گرا کر شام و عراق پر قابض ہو جائیں گے تو اس وقت پاکستان کے بہادر اور وفادار بیٹوں نے حریت و حمیت کا ثبوت دیا اور داعش کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ شام و عراق میں داعش جیسے خونخوار لشکروں کو نابود کیا۔ آج بھی داعش جیسے وحشی درندے

نہبیون کے نام سے کانپتے ہیں یہ ایسے جو ان تھے جنہوں نے پاکستان میں اسلامی مقاومت کا تعارف کروایا، انہیں اپنی جان کی پرواہ نہیں تھی۔ اگر کوئی فکر و پریشانی تھی تو الٰہی و محمدی دین کی فکر تھی۔ ان جوانوں نے بی بی زینب سلام اللہ علیہا کے حرم کے لیے سر کٹوادیے مگر حرم مبارک پر آنچ نہ آنے دی۔ اگر یہ جوان شام و عراق میں داعش کے خلاف جنگ نہ کرتے تو آج ان کا مقابلہ کوئی نہ، اسلام آباد، لاہور اور کراچی میں ہو رہا ہوتا۔

اب ایک بار پھر اس خونی لشکرنے افغانستان میں پنج گاڑ لئے ہیں اور دھماکوں سے خونی کھیل شروع کر دیا ہے، جس سے ناصرف افغانستان کا امن تباہ و بر باد ہو گا بلکہ بعد نہیں ہے کہ یہ لشکر پاکستان پر حملہ آور ہو کر نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ اگر پاکستان اور عالم اسلام کی حفاظت مقصود ہے تو داعش جیسے وحشی لشکروں کا سد باب ضروری ہے۔ یاد رکھیں اگر ان وحشیوں کے خلاف قیام نہیں کریں گے تو یہ لشکر تمہیں غلامی اختیار کرنے پر مجبور کر دیں گے۔ ان درندوں کا واحد حل صرف اور صرف مقاومت و مزاحمت ہے، ان کا حل وہ جوان ہیں جو اسلامی مقاومت کے پرچم کو تھامے ہوئے ہیں جنہوں نے عراق و شام میں داعش کو شکست سے دوچار کیا۔ داعش جیسے درندوں کا حل نہبیون اور حزب اللہ کے جوان ہیں جنہوں نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر داعش کو نابود کیا۔ یہ جوان عالم اسلام اور عرب دنیا میں پاکستان کا ناز ہیں، پاکستان کا فخر ہیں، یہ جناب و اقبال کی نظریاتی مملکت کے غیرت مند فرزند ہیں۔ نہبیون کے یہ جوان وطن عزیز پاکستان کی محبت سے لبریز ہیں، ان جوانوں کی پہلی ترجیح پاکستان اور اسکی سرحدوں کی حفاظت ہے۔ یہ پاکستان کیلئے حقیقی دفاعی لائن ہیں، اگر داعش پاکستان پر حملہ آور ہوئی تو نہبیون کے یہی جوان فرنٹ لائن پر نظر آئیں گے جو پاکستان کی حفاظت کیلئے جان پچھاوار کرنے کیلئے تیار ہیں مادر وطن کے تحفظ کیلئے ہر گھر سے نہبیون نکلیں گے۔

فصل چہارم

شاعری

اس باب میں عقیدت اور جذبات سے سرشار اشعار کو کتاب کی زینت بنایا گیا ہے اور مد نصیبِ حرم کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

نظم: انتقام سخت

شہید قاسم، شہید مہندس اور تمام شہداء ولایت کے نام

شاعر: سید تنور حیدر

شبِ سیاہ کی ظلمت گری مٹانے کو
چلے تھے ایک ہی منزل کے جو مسافر دو

مدارِ مشمسِ ولایت کے وہ ستارے تھے
وہ اپنی جگہ روشنی کے دھارے تھے

سب اپنے اور پرانے تھے ان کے دیوانے
زبانِ غیر تک آتے تھے ان کے افسانے

ستیرہ گاؤں جہاں میں وہ نام رکھتے تھے
سپہ گری میں اچھوتا مقام رکھتے تھے

جو بزم میں تھے وہ عکاسِ لہجہ بوذر
تو رزم میں تھے وہ پھر عکسِ مالکِ اشتر

وہ راستے جو انہیں موت سے ڈراتے تھے
 انہیں وہ پاؤں سے پامال کر کے جاتے تھے
 انہوں نے قتنے گروں کے قدم اکھاڑ دیئے
 فساد کے جو مرکز تھے وہ اجڑ دیئے
 جہاں لعل و گہر میں بس ایک ہی ان کا فراط
 کوئی جو گوہر مقصود تھا، شہادت تھا
 وہ اپنا گوہر مقصود پا گئے آخر
 چراغ جو تھا جلانا، جلا گئے آخر
 وہ اس جہاں سے رشتہ اگرچہ توڑ گئے
 وہ اپنے خون کا مگر قرض ہم پہ چھوڑ گئے
 وہ قرض، فرض کی صورت میں ادا ہو گا جو خون ان کا بہا، اُس کا خون بہا ہو گا
 جہاں جہاں بھی کہیں رات ہے، اندھیرا ہے
 جہاں جہاں بھی کہیں ظلمتوں کا ڈیرا ہے
 لہو سے ان کے اجائے کا کام لینا ہے
 شبِ سیاہ سے یوں انتقام لینا ہے

رشکِ چمن

شاعر: سید تنور حیدر

بکھر کر رہ گیا، اُس کی مگر مہکار، زندہ ہے
وہ اک پیکر تھا جو رشکِ گل و گلزار، زندہ ہے

ہتھیلی پر لیے جاں، ڈھونڈتا تھا وہ جو منزل کو
شہادت کے لیے رہتا تھا جو تیار، زندہ ہے

محاذِ جنگ پر جو مالکِ اشتہر کی صورت تھا
وہ فوجِ خامنہ ای کا سپہ سالار، زندہ ہے

دولوں کی ایک پھیلی سلطنت پر عاج تھا جسکا
دولوں کے خلد کا وہ سید و سردار، زندہ ہے

مثالی تھا تمسک جسکا دامنِ ولایت سے
ولی امر کا سچا وہ پیروکار، زندہ ہے

عدو کو زعم ہے پہنچا ہے تیر اُس کا نشانے تک
عدو کے سر پر وہ بن کر مگر تلوار، زندہ ہے

سپاہ

سید فیضان حیدر سبز واری

حرم عالیہ کی ، سپاہ پہ سلام
کی بنتِ علی سے وفا پہ سلام

ہیں زندہ خدا نے، کہا ہے پہنچی
شہیدوں تمھاری، بقا پہ سلام

بہا ہے جہاں پر، مقدس لہو
اُس معطر، مطہر، جگہ پہ سلام

تو اس سے زیادہ، کیا فیضی کھوں
ہو زینب کے ہر اک فتی (علام) پہ سلام

ہم کون ہیں؟

سید فیضان حیدر

اب ظالموں کے ظلم سے ڈرتے نہیں ہیں ہم سنو
 تم مار لو جتنا ہمیں ، مرتے نہیں ہیں ہم سنو

ہم پیروئے کرب و بلا، ہم ہیں حسین نو جواں
 بیعت کسی باطل کی جو، کرتے نہیں ہیں ہم سنو

ہم میں لہو حیدر کا ہے، شجرے ہمارے پاک ہیں
 میدان جنگ سے اک قدم، ہٹتے نہیں ہیں ہم سنو

گل زار شیعوں کے لئے، ہر نار نمرودی ہوئی
 پھینکو ہمیں جو آگ میں، جلتے نہیں ہیں ہم سنو

غیرت رگوں میں ہے رواں، خوں میں شجاعت فیضی ہے
 بچے ہوں یا عورت اگر ، لڑتے نہیں ہیں ہم سنو

تبصرے

اس باب میں نامور تجزیہ کاروں کے تبصروں کو کتاب کی زینت بنایا گیا ہے۔

ڈاکٹر سید راشد عباس نقوی

شہادت اور شہید جیسے مترک اور مبارک لفظ کو لکھ کر اس لفظ کو چومنے اور آنکھوں پر لگانے کا دل کرتا ہے۔ اس لفظ سے عقیدت کیوں نہ ہو، قرآن نے اس کے جو قصیدے پڑھے ہیں اور رسول خدا ﷺ نے اس مقام پر پہنچنے کی دعا کی ہے۔ آئمہ مخصوصین علیہ السلام نے شہادت کا جام پی کر اس مقام کو امر کر دیا ہے۔ صدر اسلام کے شہداء سے لیکر ۲۱ بھری کی کربلا تک اور آج تک جن شہدانے اپنے خون سے شجر اسلام کی آبیاری کی وہ قرآن کی زبان میں زندہ و جاوید کھلائے۔ شہادت کا باب اُس وقت تک کھلا ہے جب تک کائنات میں توحید و رسالت و امامت کے لیے قربانیوں کی ضرورت ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ انسان جو اپنی خواہش اور آمادگی کے ساتھ شہادت کا جام نوش کرتے ہیں۔ شہادت ایک ایسی خواہش اور تمنا ہے جس کے لیے خلوص بنیادی شرط ہے۔ شہید خلوص کا پیکر ہوتا ہے۔ شہید کو انسانیت کی محفل کی شمع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شہید کا خون نسلوں کو زندہ و بیدار کرتا ہے۔ مردہ معاشروں کو شہید کے خون کے چھینٹے خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں۔ جس قوم کے پاس جذبہ شہادت نہیں وہ کامیابی اور کامرانی کی منزل تک فائز نہیں ہو سکتی۔ شہید، شہادت، مقاومت، استقامت، مزاحمت اور حق کے لیے قیام آئمہ و ائمیا کا راستہ ہے۔ حق کے مตلاشیوں اور حریت اور آزادی کے علمبرداروں نے جس وقت بھی ان صفات کو ترک کر کے اصولوں پر سمجھوتے کارستہ اپنا یاعار خی اور فوری کامیابی کے باوجود دامنی عزت اور سر بلندی سے محروم رہے۔ حق اور حقیقت کے راہی اور حریت اور آزادی کے متواں شہادت اور مقاومت کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں اور تاریخ میں ہمیشہ مدافعینِ حرم کے نام سے زندہ رہتے ہیں۔ خداوندِ عالم ہمیں اس عظیم مقام اور اعلیٰ آسمانی درجے کو سمجھنے اور شہادت کا جام نوش کرنے کی صلاحیت و توفیق عطا فرمائے۔

ڈاکٹر سید میثم ہمدانی

بسم اللہ الرحمن الرحيم

قال امير المؤمنین علی ابن ابی طالب علیه السلام: ان الجھاد باب من
ابواب الجنۃ فتحه اللہ لخاصۃ اولیائہ

"بیشک جہاد جنت کے ابواب میں سے ایک باب ہے جسکو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے
خاص اولیاء کیلئے کھولتا ہے"۔

شہداء کی یاد کو زندہ رکھنا درحقیقت اپنے لئے زندگی کو فراہم کرنا ہے۔ ہم اکثر اوقات یہ بات
کہتے ہیں کہ وہ چلے گئے اور ہم باقی رہ گئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ شہداء ہیں جو باقی ہیں اور ہم اس
مادی زندگی اور اس دنیا کی آلاتشوں کے ساتھ اس زمانے کی موج میں بہہ گئے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ
شہدا کی گواہی دیتے ہوئے ارشاد فرمادا ہے کہ

وَلَا تَحْسِبُنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالًا أَبْلَغُوهُمْ رِزْقُهُمْ يُرِزَّقُونَ
اور تم اس بات کا گمان بھی نہ کرنا کہ جو اللہ کے راستے میں قتل کر دیئے (شہید ہو گئے)

وہ مر گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق حاصل کر رہے ہیں۔

(آل عمران، ۱۶۹)

آج کے دور میں یہ شہداء مدفع حرم ہیں کہ جن پر لاکھوں سلام ہو جنہوں نے اپنی جوانیاں
فدا کی اور اسلام کے راستے کو دشمنوں کی نجاست سے پاک کیا۔ آج اگر یہ شہداء نہ ہوتے تو ہمارے
معاشرے الحادی افکار کی زد میں ہوتے ہم تکفیری گھٹائوپ اندر ہیروں میں بھٹک رہے ہوتے۔ ہماری
سر زمین پر شہید علامہ عارف حسین الحسینی علیہ الرحمہ اور شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی علیہ الرحمہ جیسے
عظیم انسانوں کا خون بہا ہے جس نے اس سر زمین کو اللہ کی ولایت اور اسکی ہدایت سے سیراب کیا
ہے۔ یہ انہی شہداء کے خون کی برکت ہے کہ آج استکبار اور استعمار اپنی تمام ترسازشوں کے باوجود حق

کے مقابلے میں عاجز ہے۔ آج اگر امریکہ اس خطے سے اپنالبرٹ بوریا گول کرنے پر مجبور ہے، آج اگر ہماری سرزی میں امن کا گھوارہ ہے آج اگر اسلام کا پرچم بلند ہے، آج اگر محور مقاومت مکمل عزت کے ساتھ صیہونیزم کے مقابلے میں کھڑا ہے تو یہ ان نوجوانوں کے خون کی برکت ہے کہ جنہوں نے شہید علامہ عارف حسین الحسینی علیہ الرحمہ کی سرزی میں پر خینی بت شکن اور خامنہ ای رہبر عظیم کے راستے کو پنا آئیڈیل بنایا اور کسی بھی سامری کے جادو کو اپنے وجود پر موثر نہیں ہونے دیا۔ آنے والی نسل کیلئے بھی ان شہداء کا یہی پیغام ہے کہ اگر تم محمد علی و حسین و حسین علیہم السلام کے پیر و کار ہو تو اس چند روزہ زندگی کو کبھی بھی اپنی ابدی سعادت کے حصول میں رکاوٹ قرار نہ دینا۔

ہماری خواہر عطیہ بتول مبارکباد کی مستحق ہیں جنہوں نے اس عظیم موضوع پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا اور اس راہ شہادت میں اپنے زینبی کردار کا عملی نمونہ پیش کیا۔ خداوند تبارک و تعالیٰ سے خواہر سویر ابتول سمیت تمام راہروان راہ ولایت و شہادت کی توفیقات عالیہ کیلئے دعا گو ہیں۔

ارشاد حسین ناصر

شہید، شہادت، شہداء کا حوالہ آجائے تو زبان ایک بار رُک جاتی ہے، قلم کی روائی میں بھی ٹھہراؤ آ جاتا ہے مبارکباد کچھ ایسا نہ ہو جائے جس سے ناراضگی کا اندر یشہ ہو، جس سے دکھلوائے کا شابہ ہو، جس سے زبان بیان اور عمل و کردار میں تفاوت ہو، اس لئے کہ شہداء شاہد ہیں، ہمارے اعمال پر ہمارے اظہار پر، ہمارے کردار پر، شہداء کی زندگی کی گواہی خدا نے قرآن مجید میں دی ہے، اگر یہ گواہی کسی حدیث تک ہی محدود ہوتی تو شاید اس سے صرف نظر ہو سکتا تھا، جیسے اور بہت سے احادیث پر اشکالات وارد ہوتے ہیں مگر چونکہ لاریب کتاب میں گواہی ہے تو کسی کی مجال نہیں کہ کسی شک کا اظہار کر سکے، لہذا شہداء کے ارفع مقام، مرتبہ، عزت، شرف، اختیار کی بلندی پر بات کرنا ہو تو بہت سوچ سمجھ کر بات کی جاتی ہے، اور جب شہداء میں بھی ہمارے دور کے شہداء، وقت کی کربلا پر

حاضر ہونے والے شہداء ہوں تو عشق و محبت کے چراغ جلائے بناتے نہیں بنتی، اس وادی میں ہر ایک تدم نہیں رکھ پاتا، یہاں بڑے بڑوں کے پر جلتے ہیں، کوئی بھی ان پاکباز، پاک دل کر بلائے وقت سے آنے والی صدائے، ہل من، پر لبیک کہنے والوں سے اپنا تعلق ظاہر کرنے پر تیار نہیں دکھتا، حالانکہ ہم سب یہ شعار بلند کرتے ہیں کہ اے کاش ہم کر بلا میں ہوتے، میرے خیال میں شہداء کے مدافعینِ حرم کی صفائی میں اس پاک سرزی میں سے شریک جوانوں نے ہی بازی چلتی ہے اور ہم پیچھے رہ گئے، ہم دنیا کو سمیٹنے رہے، خود کو بچاتے رہے اور مدافعینِ حرم وہ تھے جو آگے بڑھے، شوق شہادت میں، محبوب سے ملاقات کی تڑپ نے انہیں اس مقام و مرتبہ تک پہنچایا، اور ہم پیچھے رہ گئے، ہم اے کاش تک رہے اور وہ اپنے ہدف و منزل کو پا گئے...

مجھے یہ جان کے بے حد خوشی ہوئی کہ خواہر عطیہ بتول نے بھی شہادت، شہداء اور مدافعینِ حرم جیسے موضوع پر قلم اٹھایا، اور اپنی عقیدت، لگن اور سوچ و فکر کو کھل کے بیان کیا، وہ ہمیشہ اس موضوع کے بارے میں سوچ و فکر کرتی اور ہم سے سوالات کے جواب پوچھتی رہی ہیں، اس تلاش بسیار اور قلبی لگن کی بدولت ان کے ہاتھ جو کچھ آیا ہے انہوں نے سپرد قلم کیا ہے، ان کی کاؤش قبلہ رشک ہے، ان کے احساسات قابل تحسین ہیں، ان کے الفاظ بہت قیمتی ہیں، جن کی قدر کی جانی چاہئے، مجھ جیسے حقیر سے اس کتاب کے بارے میں تاثرات لینا، ایک بے عمل، بے نماز سے نماز کے بارے میں گفتگو سننے کے مترادف ہے، میں تو ہمیشہ اس احساس میں رہا ہوں کے ہم رہ گئے اور وہ آگے نکل گئے... اے کاش ہمارے قدم بھی دنیا کے جھمیلوں میں نالکے ہوتے، اے کاش ہم بھی اس صفائی میں شامل ہوتے..... بہر حال قوم کی ایک بیٹی کے قلم سے خلوص بھرے اور اق کو بارگاہ ولی العصر میں قبولیت حاصل ہوا اور دعا ہے کہ ان کے قلم میں مزید طاقت اور زور نظر آئے.. آمین

مولانا محمد ہادی

شہادت موت نہیں، زندگی ہے۔ غافل ہمیشہ اس دنیا کی زیب و آرائش کو ہی زندگی سمجھتا ہے، اگر کوئی اس پست و حقیر دنیا کی محبت میں غرق ہے تو جان لے کہ اس نے اپنے نفس کا سودہ انہتائی گھاٹے میں کیا ہے۔ اپنے نفس کو کس دنیا کے عوض بیچ رہے ہو؟! تمہاری یہ دنیا میرے مولا علی علیہ السلام کی نظر میں سور کی اس انتزیبوں سے بھی زیادہ پست ہے جو کسی مخدوم (کوڑھی) کے ہاتھوں میں ہو۔ غافل ہے وہ انسان جو اس دنیا میں دل لگائے، یہ دنیا دل لگانے، اس کے عجائب میں کھوجانے اور مانوس ہو جانے کی جگہ نہیں ہے۔ اپنے نفس کو دنیا کے بدالے میں نہ بیچو! غور و فکر کرو اور اصل زندگی کی طرف پلٹ آؤ۔ اپنے دل میں شہداء کی دنیا پیدا کرو اور اس پست و حقیر دنیا سے منہ موڑ لو۔

اس کتاب "پاسبان حرم" کے مطالعہ کرنے سے شہداء کی دنیا کو محسوس کیا جاسکتا ہے، شہداء کی ایک الگ دنیا ہے۔ ہم مال و دولت اور شہرت کی دنیا میں جی رہے ہیں، ہم فخر و مبارکات کی دنیا میں سانس لے رہے ہیں مگر نہیں یہ زندگی ہی نہیں، اصل زندگی شہادت ہے۔ وہ انسان جو شہداء کی زندگی کو محسوس کرتا ہے اور شہادت کی ترپ اس کے دل میں ہے وہ ہر لمحہ با مقصد زندگی گزارتا ہے۔ درحقیقت شہداء شمع ہدایت ہیں، شمع خود جل کر بھی دوسروں کی زندگی میں روشنی لاتی ہے لہذا یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، یہ جوانوں کیلئے مشعل راہ ہے، اس میں نہایت خوبصورتی سے شہداء اور مدافعین حرم عاشقانِ پاک طینت جوانوں کی با مقصد زندگی درج ہے جس سے یہ احساس جنم لیتا ہے کہ شہداء کی دنیا ایک الگ دنیا ہے۔

فصل پنجم

اس باب میں شہداء نبیوں کی چند نئی تخاریر شامل کی گئی ہیں۔

پاکستان کی بائیمان قوم

میر اعقیدہ یہ ہے کہ پاکستان کی بائیمان قوم، تمام اسلامی ممالک کے اکثر لوگوں کی نسبت بلکہ شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی ممالک کی ایک بڑی اکثریت کی نسبت ان کا ایمان گھر اے۔ یعنی وہ با ایمان ہیں اور میں اپنی اس بات کے لئے دلیل رکھتا ہوں۔ اگرچہ انگریزوں نے کئی سالوں تک اس ملک پر حکومت کی ہے اور اس ملک کے تمام علاقوں انگریزوں کے ماتحت رہے ہیں نیز انہوں نے دین کو ختم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن اس تمام دباؤ کے باوجود آج آپ جس چیز کو مشاہدہ کر رہے ہیں ہے وہ مضبوط اسلامی عقیدہ ہے اور وہی اسلامی جوش اور وہی اسلامی جذبہ ہے۔

رہبر معظم سید علی خامنہ ای دامت برکاتہ

سلام بر یوسف زینبیون

شہید زاہد علی (سید عقیل)

شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہونے کے بعد سید کے قابل عالم دین استاد نے سید کو یوسف زینبیون کا لقب دیا۔ جب استاد محترم سے اس لقب دینے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: یہاں بر یوسف خدا کی طرف سے بھیجے گئے نبی لاتعداد خصوصیات کے مالک تھے، زاہد میں خدا نے ان کی جو خصوصیات رکھیں ان میں سے ایک حُسن تھا۔ ایسا حُسن جو دیکھنے والوں سے نظر ہٹانے کی سکت چھین لیتا ہے۔

"غالب" نظر کے سامنے حسن و جمال تھا

"محسن" وہ بشر خود میں سراپا کمال تھا

ہم نے "فراز" ایسا کوئی دیکھا نہیں تھا
 اے "داغ" تیری غزل تھا وہ بے مثال تھا
 "اقبال" تیری شاعری ہے جیسے باکمال
 یعنی "رضاء" یہ سچ ہے کہ وہ لازوال تھا
 دوسری خصوصیت تھی "حیا" زاہد ایک نہایت حیادار جوان تھا، کم بولنا، ساکت مزاجی اور
 شر میلا پن تو اس کی ذات کا حصہ تھا ہی پر حیانے اس کی ذات پر آسمان پر ماہ کامل سامبانا کھاتھا، میں
 نے اپنی آنکھوں سے بارہا دیکھا، اگر زاہد کو کسی نا محروم سے کام کی بنا پر بات کرنے کی ضرورت پڑ جاتی
 تو اپنی نظریں زمین پر جمائے رکھتا۔ بات مکمل ہونے تک سرنا اٹھاتا اور یہی دو خصوصیات اسے سپاہ
 نبیوں کا یوسف قرار دیتی ہیں۔

شہید زاہد علی نبیوں

شہید زاہد لشکر نبیوں کے مجاہدین میں بہت معروف تھے۔ اس کے ساتھی اس سے بہت
 زیادہ متاثر تھے۔ شام میں ان کی موجودگی کے کچھ عرصے بعد شہید کے والد زاہد سے پاکستان آنے کو
 کہتے ہیں لیکن زاہد جواب میں کہتا ہے کہ: "میں تب واپس آؤں گا جب مجھے یقین ہو جائے کہ
 حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا حرم مکمل طور پر محفوظ ہے اور اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پھر
 میں کربلا جاؤں گا اور امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے بعد گھر واپس آؤں گا"۔ شہید زاہد علی محاذ
 مقاومت میں رہتے ہیں بہاں تک کہ تکفیری گروہ داعش کے ساتھ ایک آپریشن میں اشتباء کی گولی کا
 نشانہ بنتے ہیں اور شہید ہو جاتے ہیں۔ زاہد علی کی شہادت کی خبر سن کر ان کی ماں کہتی ہیں "میرے
 بیٹے کی واحد خواہش (شہادت) پوری ہو گئی"۔

روزنامہ جوان

پاکستانی مجاہد شہید و جاہت علی کی خصوصیات

میرے بھائی کی اخلاقی خوبیوں میں سے اہم ترین خصوصیت تحائف دینا تھا۔ مشکل ترین مالی صور تحالف میں بھی جب بھی وہ کہیں جاتے اپنی بہنوں کو فراموش نہیں کرتے تھے۔ ہم ان سے کہتے تھے کہ تم ہم سے چھوٹے ہو اور تمہیں ان کاموں کی ضرورت نہیں ہے لیکن وہ ہمیشہ اپنی ماں اور بہنوں کے لیے جوش و ذوق کے ساتھ تحفے خریدتے تھے۔ میرے بھائی کا دل بہت مہربان تھا۔ میرے بھائی جب ایران آگئے تو وہ بہت بدل گئے تھے۔ انہیں مذہبی علوم میں اس قدر دلچسپی تھی کہ انہوں نے ہائی اسکول چھوڑ دیا اور کہا کہ وہ اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے مدرسہ جانا چاہتے ہیں۔ وہ پہلے پاکستان میں ہی مدرسے میں چلے گئے۔ پھر انہوں نے والد سے کہا کہ میں ایران جا کر امتحانی یونیورسٹی میں داخلہ لینا چاہتا ہوں۔ والد نے بھی ان کی بات مان لی۔ ایران میں موجودگی اور مدرسے کی تعلیم نے ان پر ثابت اور اچھا اثر ڈالا تھا۔ میرے بھائی نماز شب پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے تین سال تعلیم حاصل کی اور کچھ عرصے بعد حرم الہیت علیہم السلام کے دفاع کے لیے چلے گئے۔ وہ کہتے تھے کہ گویا میرے لئے بی بی زینب سلام اللہ علیہا کی طرف سے دعوت نامہ آیا ہے اور مجھ پر لازم ہے کہ میں اس پر لبیک کہوں! اسلامی مراحمتی محااذ میں شمولیت کے دو ماہ بعد وہ شہادت کے درجے پر فائز ہو گئے۔

شہید محمد جنان

شہید کے بھائی کا انٹرویو:

جس وقت محمد جنان محاڑپے جانے کے لیے روانہ ہو رہے تھے اس نے مجھ سے کہا کہ "یا میں تمام داعشی کو نیست و نابود کر کے واپس آؤں گا یا پھر اس راستے پر شہادت تک پہنچ جاؤں گا"۔ میرا بھائی بہت ہی اچھا انسان تھا، میں نے کبھی اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔

ہمیشہ مجلس و میلاد (مراسم اہل بیت) میں پیش پیش ہوتا تھا اور ان کو منعقد خاطر بہترین و سائل تلاش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ دوستی پسند انسان تھا اور ہمیشہ دوسروں کی مدد کرنے کے لیے آگے آگے رہتا تھا۔

محمد جنان یہاں پر بھی مبارزہ میں ایک جنگجو کی طرح تھا اور واپسیوں کے خلاف برسر پیکار تھا۔ واپسیوں کے مقابلے گاؤں والوں کی اور لوگوں کی مدد کرتا تھا۔ میرے والد بھی واپسیوں سے مقابلے میں شہید ہوئے ہیں۔

شہید کے بھائی مزید بتاتے ہیں کہ:

جب بھی ہمیں کوئی مشکل درپیش ہوتی تھی کس مسئلے میں ہوتے تھے شہید بغیر کسی بہانے کے فوراً مدد کے لیے آجاتے تھے۔ بہت مہربان اور دلسوز شخص تھا، اہل نمازو روزہ و جہاد تھا۔ آج ہماری قوم میں خود 5 شہداء مدافع حرم جو ہمارے گاؤں کے ہیں ان پر فخر کرتے ہیں اور قطعاً محمد جنان اور یہ شہداء ہماری جانب سے آخری شہداء مدافع حرم نہیں ہونگے۔

میرا جھائی اس لقب پر جور ز مند گان نبیوں کو حاصل ہے یعنی "مدافع حرم" پر انتخاب کرتا تھا۔ وہ خود مدافع حرم ہونے پر فخر کرتا تھا، جب وہ چند دنوں کے لیے چھٹی پر واپس آیا تو گاؤں کے جوانوں اور دوستوں کو جنگ بمقابلہ وہابیت اور دفاع حرمی المبیت کے لیے تشویق دے رہا تھا کہ ضرور ہمیں ان کے مقابلہ لڑنا چاہیے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ دفاع اسلام کی کوئی حد و سرحد نہیں ہے۔

شہید مدافع حرم علی رضا جیلان کی اہلیہ کا انظر ویو

علی رضا اپنے دل میں کوئی آرزو نہیں رکھتا تھا، نہ کوئی عہدہ، نہ کوئی ذمہ داری، نہ کوئی دنیاوی وابستگی، اس دنیا میں کسی چیز کی بھی آرزو نہیں رکھتا تھا لیکن انہیں ایک چیز کی بہت آرزو تھی، اور وہ یہ تھی کہ شہید ہونے کے ذریعے اپنے چچا کی قبر کا ہمسایہ بننا، وہ کہتا تھا کیا میں شہید ہو سکتا ہوں اور اپنے

چچا کی قبر کے پاس میری بھی قبر ہو سکتی ہے؟ جب بھی ہم شہداء کے قبور اور مخصوصاً ان کے چچا کی قبر پر جاتے، وہ ان سے سرگوشی کرتے اور اپنے چچا کی قبر کی طرف اشارہ کرتے اور کہتے: یہاں میری جگہ ہے، ان کی شہادت کے بعد ان کے جسد کو ان کے چچا کے کنارے دفن کر دیا۔

شہید علی جعفر لشکر نبیوں کے کمانڈر کی زبانی

آخری بار شہید علی جعفر ہمارے ساتھ بیطریہ نامی علاقے میں تھا جب وہ چلا گیا تو ہماری یونٹ میں نہیں تھا اور حزب اللہ میں شمولیت اختیار کر چکا تھا، وقت گزرتا گیا یہاں تک میں نے ان کو T2 کے علاقے میں دیکھا، ہم حاجی سالم کے ساتھ مورچوں کی نگرانی کے لئے چلے گئے تھے۔ ان میں سے ایک مورچہ جو حزب اللہ کا تھا اس میں انہیں دیکھا، بوریوں کے ساتھ مورچہ بنانے میں مصروف تھا، اور روزے میں تھا، جب ہم نے ایک دوسرے کو وہاں دیکھا تو بہت خوش ہوئے، انہوں نے جا کر ہمارے لئے شربت کی بوتل تیار کی، وہ اس گرمی میں روزے میں تھا، منظر یہ کہ ہم آدھے گھنٹے تک بیٹھے با تین کرتے رہے، ان کا چہرہ بہت نورانی ہو گیا تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے جا رہے ہیں، جب ہم بیطریہ میں تھے تو وہ نماز کے لئے مسجد میں پہنچنے والوں میں پہلا فرد ہوا کرتا تھا، وہ بہت اخلاص اور گمنامی کے ساتھ آیا اور چلا گیا، خوش نصیب تھا کہ اس کا رزق شہادت پر ختم ہو گیا، ان شاء اللہ ہمارا بھی ہاتھ تھام لے۔

نبیوں شہید مقبول حسین

شہید مقبول حسین مہربان اور محبت کرنے والا تھا۔ تیموں اور غربیوں پر خصوصی توجہ دیا کرتے اور انہیں کپڑے اور کھانا مہیا کیا کرتے تھے۔ ان کے مسائل کو حل کرتے اور ان کی زندگی کی ضروریات کو پورا کیا کرتے تھے۔ آئندہ مخصوصین علیہ السلام کی مجالس میں خلوص کے ساتھ اس طرح سے خدمت کیا کرتے تھے کہ گویا وہ خود اس مجلس یا امام بارگاہ کے بانی ہوں۔ وہ بہر جمعے کو غسل

کیا کرتے اور آدمی رات کو موم بقی کی روشنی میں قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ شہید مقبول حسین ایران کی طرف سفر کرتے ہیں اور مراحمتی محاذ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں۔ ان کی زوجہ کہتی ہیں کہ عراق اور شام میں جنگ شروع ہونے سے کئی سال پہلے انہوں نے مجھ سے کہا: میں کسی دوسرے ملک میں پر دیس میں شہید ہو جاؤں گا اور تم غم کے لباس میں میرے تشیع جنازہ میں آؤ گی۔ شہید مقبول حسین کی مستقل آرزو اور خواہش مقاومتی محاذ پر اور بی بی زینب سلام اللہ علیہا کے حرم مطہرہ کے قریب پوری ہوئی۔

شہید تہذیب الحسن شہید کی والدہ کی زبانی

جیسا کہ میرے بیٹے کے مجاہدوں ستوں نے کہا: ایک کارروائی کے دوران جب دشمن انہیں گھیر لیتا ہے اور محاصرہ کئی روز تک جاری رہتا ہے تھیار اور گولہ پاروں کی کوئی کمی نہ تھی لیکن ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں تھا چنانچہ وہ مجبور ہو کر گردنواح کے خالی گھروں میں سے کچھ تلاش کر کے جینے کی خاطر کھالیتے تھے۔ کچھ دن ایسے بھی گزرتے تھے جب انہیں خالی پیٹ رہنا پڑتا تھا یہاں تک کہ انہیں نیند نہیں آتی تھی، چنانچہ محاصرہ توڑنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ ایک جمعہ کے دن داعشی دہشت گردوں پر دھاوا بولتے ہیں، لڑائی کے دوران داعشی میرے بیٹے کو نشانہ بناتے ہیں اور انہیں گولی لگتی ہے بہت سارا خون بہہ جاتا ہے۔ ان کے دوست بھی چونکہ دہشت گردوں کے محاصرے میں تھے، لہذا انہیں اسپتال نہیں پہنچا سکتے تھے؛ اور سید تہذیب وہیں جام شہادت نوش کر لیتے ہیں۔

شہید واحد علی

اُس وقت جب شہید نے اہل بیت کے حرم کی حفاظت کے لئے شام جانے کا رادہ کیا تو والدہ کو فون کیا اور سب سے پہلے ان سے اجازت چاہی۔ شروع میں والدہ نے مخالفت کی، لیکن چند نوں کے

بعد دو بارہ فون کیا اور اجازت چاہی والدہ نے کہا کہ میرے لئے مشکل ہے تمہیں محاڑ جنگ پر بھیجوں لیکن دوسرا طرف اگر میں نے اجازت نہ دی تو آخرت میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو کیا جواب دوں گی؟ جب دیکھتی ہوں کہ ہمارے ہمسایوں نے بھی اپنے بیٹوں کو اسلام کے دفاع کے لئے بھجا ہے۔ میرے اور ان کے بیٹوں کے درمیان کیا فرق ہے؟ اس طرح اُس کی والدہ راضی ہو گئیں۔

دوسرا شہید

شہید مدافع حرم (شہید قمر عباس) لشکر زنبیوں

شہید، بہت خوش اخلاق اور بہت کم ہنتے تھے۔ جب ان سے پوچھا کہ یہ کیا واجہ ہے، تو آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور مسکرا کر کہا عزیز اگرچہ میں بہت دیر سے دفاع میں شریک ہوا۔ نہیں معلوم بی بی مجھ سے راضی ہوں گی یا نہیں؟ اور مجھے بہت دن ہوئے یہاں آئے ہوئے لیکن شہادت نصیب نہیں ہوئی میرے سامنے میرے دوست ترپتے رہتے میں ان کو دیکھتا اور مجھے خود سے احساس شرمندگی ہوتی ہے کہ مجھے ابھی تک ایک آنچ نہیں آئی۔ ایک مرتبہ ایرانی قافلہ دمشق جا رہا تھا زیارت کے لئے شہید نے بھی ان کے ساتھ جانے کا راہ دکیا۔

جب زیارت سے واپس آئے تو بہت خوش نظر آرہے تھے۔ میں آگے بڑھا اور پوچھا آج تو بڑی مسکرا ہٹ ہے چہرے پر کیا واجہ؟ تو شہید نے کہا میں نے اپنی منزل کو پالیا میرے دوست تمہارا منتظر ہوں گا، میں اس کی یہ بات نہ سمجھ پایا، میں نے پوچھا کہ کہاں منتظر ہو گے؟ تو جواب دیا بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

ایک بار شہید قمر عباس اپنے ایک زخمی عزیز جو دفاع میں زخمی ہو کر ایران آیا تھا، اس سے ملنے گیا ملنے کے بعد جب واپس جانے لگا تو بہشت مخصوصہ سلام اللہ علیہا، شہدائے زنبیوں کے مزار پر بھی گیا۔ بہشت مخصوصہ سلام اللہ علیہا میں دفن شہداء نے اس کے دل میں جگہ بنالی، قمر عباس نے اپنا نام

مدافعین حرم میں لکھوا یا اور سفر عشق کی جانب چل پڑا، شہید کے ہر زم ساتھیوں کا کہنا ہے کہ شہید بہت بہادر تھا بل الزہر اکی آزادی کی کارروائیوں میں اس کی بہادری اور شجاعت لا گت تحسین ہے۔

حلب کی آزادی کا اعلان ہو چکا تھا ایک دن ہمارے کمانڈرنے حملہ کرنے کا حکم دیا شہید لبیک یا زینب سلام اللہ علیہا کی صدائگا کر سب سے آگے چل پڑا جب حملہ کیا تو وہ زخموں کے وار سہتار ہا مگر اپنی جگہ سے پچھے ہٹنے کو تیار نہ ہوا، شہید اس وقت بہت زیادہ زخمی ہو چکا تھا اور سب سے آگے تھا پھر پچھے ہٹنا بالکل ہی ناممکن ہو گیا؛ کیوں کہ گولیوں کی بارش تھی۔ شہید قمر عباس انتہائی دلیری سے دشمن کی کمین گاہ کے اندر تک گھس گیا، کیوں کہ زخمی تھا اور خون بھی بہت بہہ چکا تھا وہ وہیں بے ہوش ہو کر گر گر گیا اور گرفتار کر لیا گیا، اسے بہت زیادہ شکنجه دیے گئے اور بعد میں ان ملعونوں نے اسے زندہ جلا دیا۔ اس کی شہادت کی خبر سنتے ہی مجھے اس کا مسکراتا چہرہ یاد آیا اور اس بات کی سمجھ آئی کہ تمہارا منتظر رہوں گا۔

حلب کو جب آزاد کرایا گیا تو اس میں کپڑے جانے والے افراد سے دریافت کیا تو ان میں سے ایک نے بتایا، جب ہم اس کو چاقووارتے تو کہتا: "یا علی یا علی" جب ہم نے اس کو جلانا شروع کیا تو اس کے آخری الفاظ تھے "یا زینب، یا زینب" وہاں موجود افراد کی نشاندہی پر، شہید کا جسد خاکی حلب آزاد ہونے کے ایک مہینہ پندرہ دن بعد ملا۔ خدا شہید کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین

شہید قمر عباس کے ایک ہر زم دوست کی زبانی

سلام ہو دختر زینب سلام اللہ علیہا شہیدہ زینب کمانی پر :

منافقین نے زینب کی چادر کو اتنا اس کی گردان پہ کسا کہ وہ دم گٹھنے سے شہادت پا گئی۔ مگر چادر اپنے سے جدانہ ہونے دی۔

شہید مدافع حرم اعتزاز حسن

وصیت نامہ:

خدا یا! ہزاروں لاکھوں مرتبہ تیر اشکر ادا کرتا ہوں۔ اور میں کیسے تیر اشکر ادا کرو؟ مجھے علم نہیں کہ میری دلی آرزو پوری ہو گئی یا نہیں؟ جو میرا رادہ ہے اسے کامیابی عطا کر، میرے دل کو دنیاوی خواہشات سے پاک کر دے مجھے اپنی راہ میں ثابت قدم رکھنا۔ خدا یا میں نے ایک سال پہلے، حرم کے دفاع کی خاطر جانے کا رادہ کیا تھا اور آج میری آرزو پوری ہو گئی۔ خدا مجھے شہادت نصیب فرمائے گناہوں کو بخش دے۔

مدافعین آیات الٰہی